جمبک کا قلعہ

اور

بہادر گار جنگ

کرشن چندر

لارک پبلشرز
اورنگ زیب مارکیٹ بندر روڈ۔ کراچی۱

جملہ حقوق محفوظ

بار اوّل مئی سنہ ۱۹۶۳ء

ناشر:- ایم آر خاں چودھری
پریس مشہور پریس - کراچی

جمبک کا قلعہ

ہمت سنگھ نے ٹیلے کے پیچھے دیکھا۔

پیچھے پہاڑ پھٹ کر دُور دُور تک الگ ہو چکے تھے۔ اور ان پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑی وادی تھی۔ وادی چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں سے بھری پڑی تھی۔ لیکن درخت بہت کم تھے۔ اُونچی اُونچی چٹانوں کے کئی سلسلے اُن جھاڑیوں سے اُوپر اُٹھے ہوئے۔ دُور کے پہاڑوں سے مل جاتے تھے۔ اس وادی کے اِرد گرد کے پہاڑوں پر بھی درخت بہت کم تھے۔ چٹانیں اُونچی اور ننگی تھیں۔ اور سورج کی گرمی سے اُن کا رنگ سیاہ ہو چلا تھا۔ اور چٹانوں کے اندر کہیں کہیں منہ کھولے ہوئے گہرے غار نظر آتے تھے۔

"بڑی ہیبت ناک وادی نظر آتی ہے" دلیپ سنگھ نے راجینا سے کہا۔

راجینا بولی "یہ شیروں کی وادی ہے"

"تمہیں کیسے معلوم ہے؟" دلیپ سنگھ نے پوچھا۔

"ایک دفعہ ہم دونوں بہنیں اپنے بھائی کے ساتھ یہاں آئی تھیں تو مجھے بھائی نے بتایا تھا"

"شیر؟" بدلو پہلوان نے کانپ کر کہا۔

اُس کی آواز میں کپکپی سی تھی۔ بدلو پہلوان کا جسم بہت بڑا تھا۔

لیکن اُس کا دل بہت چھوٹا تھا۔ ہمت سنگھ نے جب اُسے یُوں شیر کے نام ہی سے ڈرتے دیکھا۔ تو مُسکرا کر بولا۔

"ابھی تو دوپہر ہے۔ شام ہوتے ہوتے ہم شیروں کی وادی میں پہنچ جائیں گے۔ بدلو پہلوان! آگے کا راستہ تم دکھاؤ" بدلو پہلوان ہاتھ جوڑ کر بولا "مالک اگر میں آگے چلا تو شیر سب سے پہلے مجھی پر حملہ کرے گا"

"اچھا تو تم سب سے پیچھے چلو"

"پیچھے چلا تو شاید شیر پیچھے سے آکر سب سے پہلے مجھے کھا جائے گا۔ نہیں مالک! میں بیچ میں چلوں گا۔ مجھے سب سے بیچ میں رکھ دو"

"اچھا تم بیچ میں عورتوں کے ساتھ چلو"

شینا اور راجینا بولیں "نہیں ہم اس ڈرپوک کے ساتھ نہیں چلیں گی"

آخر کار مُشتاق اور رامُو شکاری نے بدلو کو اپنے بیچ میں لے لیا۔ پہلے مُشتاق۔ پھر بدلو پھر رامُو۔ پھر مزدُور۔ پھر شینا اور راجینا سب سے آخر میں دلیپ اور ہمت سنگھ اس طرح سے یہ قافلہ چلتا چلتا شیروں کی وادی میں داخل ہُوا۔ وادی بڑی سُنسان اور اجاڑ دکھائی دیتی تھی۔ راستہ کٹھن اور دشوار گُزار تھا۔ اور اس وادی میں دُور دُور تک کہیں

کوئی چشمہ یا ندی نالہ نظر نہ آتا تھا۔ اور دوپہر کا سورج آسمان پر دہک رہا تھا۔

وہ سب لوگ بے انتہا چوکنے ہو کر اس وادی میں سے گزر رہے تھے۔ کہیں کوئی پتہ بھی کھڑکتا تو وہ لوگ ہوشیار ہو کر کھڑے ہو جاتے۔ اور بڑے غور سے گرد و پیش کی فضا کو دیکھتے۔

چلتے چلتے راستہ میں دائیں طرف ایک بہت بڑی جھاڑی میں ایک آہٹ سی پیدا ہوئی۔ اور وہ سب لوگ خبردار ہو گئے۔

جھاڑی میں پھر آہٹ پیدا ہوئی۔

"شیر!" بدلو نے گھبرا کر اپنی بندوق کا رخ جھاڑی کی طرف کر دیا۔ ہمت۔ دلیپ۔ مشتاق اور رامو بھی رائفلیں تانے جھاڑی کے چاروں طرف کھڑے ہو گئے۔ مزدوروں کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

ہمت سنگھ جھاڑی کے قریب گیا۔ رائفل تانے ہوئے قریب جا کر اس نے رائفل سے جھاڑی کے پتوں کو زور سے ہلایا۔

یکایک ایک زور کا کھڑکا ہوا۔ اور خاکستری رنگ کا ایک جانور جھاڑی میں سے اوپر اچھلا اور اچھل کر بدلو پہلوان کی پیٹھ پر آ رہا!

"شیر! شیر!" کہہ کر بدلو پہلوان ڈر کے مارے بھاگا۔ بندوق اس

بکے ہاتھ سے گر پڑی - اور وہ سیدھا آگے بھاگتا جا رہا تھا - اُسے بھاگتے دیکھ کر وہ سب لوگ ہنسنے لگے۔

بدلو پہلوان کی پیٹھ پر ایک جنگلی بلی بیٹھی تھی۔

اُن لوگوں کو زور زور سے ہنستے ہوئے دیکھ کر بدلو پہلوان بھاگتے بھاگتے رُکا - اور رُک کر اپنے کندھے کی طرف دیکھنے لگا - اس کے کندھے پر بیٹھی ہوئی بلی نے کہا - میاؤں !"

بدلو پہلوان کی جان میں جان آئی - وہ دل ہی دل میں اپنی بزدلی پر بہت شرمندہ بھی ہوا - بلی کو کندھے سے اُتار کر اُس نے اُسے اپنے بازو میں لے لیا - اور بولا " کیا ہوا شیر نہیں ہے شیر کی بہن تو ہے "

تیسرے پہر پیاس سے ان لوگوں کی زبانیں باہر لٹکنے لگیں - سخت گرمی کا عالم تھا - پیاس سے حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے تھے - اور ابھی تک راستے میں کوئی ندی نالہ یا چشمہ تک نظر نہ آیا تھا - چلتے چلتے ان کے جسم پسینے سے بھیگ گئے تھے۔

" اب اگر پانی نہ ملا " راموُ بولا " تو چلنا تو کیا - جینا بھی مشکل ہو جائے گا "

بڈھے مشتاق شکاری نے بھی اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور کہا " پانی !"

"پانی ضرور کہیں نہ کہیں ہوگا"۔ شینا بولی "میں آگے آگے چلتی ہوں۔ تم لوگ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ میں پانی کی نشانی ڈھونڈتی ہوں"۔

"پانی کی بھی نشانی ہوتی ہے؟" ہمت سنگھ نے پوچھا۔

"ہاں ہوتی ہے۔ مگر اُسے ہم جنگلی لوگ ہی جانتے ہیں"۔

بہت دُور تک چلنے کے بعد شینا ایک جگہ ٹھٹھک کر رُک گئی۔ اور اپنی بائیں طرف گھوم گئی۔ اور ایک جھاڑی کے نیچے بیٹھ کر ایک چھوٹے سے پودے کو دیکھنے لگی۔ اِس پودے کا رنگ گہرا سبز تھا۔ اور پتے جھالروں کی طرح لٹک رہے تھے۔ اس پودے کو پہچان کر شینا نے خوشی سے کہا

"اب پانی مِل جائے گا"۔

"کہاں مل جائے گا؟" ہمت سنگھ نے حیرت سے پوچھا۔ کیونکہ اُسے دُور دُور تک کہیں پانی نظر نہ آرہا تھا۔

"تم میرے پیچھے پیچھے آؤ"۔ شینا اُس جھاڑی کے نیچے سے اُٹھ کر بولی۔ اُس نے راستہ چھوڑ دیا۔ اور بائیں طرف کی جھاڑیوں کے سلسلے کو دیکھتی چلی۔ جگہ جگہ اسے جھاڑیوں کے نیچے وہی پودا مل جاتا۔ جھاڑیوں کا یہ سلسلہ اب اُونچی چٹانوں پر چلا گیا تھا۔ وہ سب لوگ

اب پیاس سے بیاکل ہو کر شیروں کو بھول کر شینا کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے تھے۔ وہ کئی چٹانیں چڑھ گئے۔ ایک گھاٹی کے اوپر پہنچ گئے۔ گھاٹی سے اُتر کر نیچے جانے لگے۔ جھاڑیوں کا سلسلہ کبھی دائیں کبھی بائیں گھوم جاتا۔ کبھی جھاڑیاں ایک دم غائب ہو جاتیں تھیں۔ شینا اِدھر اُدھر گھوم کر کسی جھاڑی کو تلاش کرتی اور جب اُسے وہی سبز جھالروں والا پودا مل جاتا تو وہ اُسی جانب روانہ ہو جاتے۔

بہت دیر تک اسی طرح گھومنے کے بعد وہ کئی خوفناک چٹانیں اُتر کر ایک گہری وادی میں پہنچے۔ یہاں پر جھاڑیاں بہت اُونچی اور گھنی تھیں۔ اور دوسری جگہوں کے مقابلے میں یہاں پیڑ بھی زیادہ تھے۔

شینا بڑی ہوشیاری سے اور جلدی سے جھاڑیوں کے نیچے ہرے پودے دیکھتے ہوئے چلی جا رہی تھی۔ پھر وہ ایک اُونچی چٹان پھلانگ کر دوسری طرف کود گئی۔ اس کے جاتے ہی ہمت سنگھ کودا اور دوسرے لوگ بھی۔

ایک اُونچی چٹان کے نیچے بیریوں کے گھنے جھاڑ کے قدموں میں ایک خوش نما چشمہ بہہ رہا تھا۔ اور کوئی سو گز تک پتھروں پر بہتا ہوا نیچے ایک گھاٹی میں گر رہا تھا۔ یہاں جھاڑیاں گھنی اور گہری تھیں۔ سورج کی روشنی بھی کم تھی۔ اور چاروں طرف درخت بھی نظر آ رہے تھے۔ جن کا سایہ گھنا اور

ٹھنڈا تھا۔

ٹھنڈے سایوں میں ٹھنڈے چشمے کو دیکھ کر کسی سے رہا نہ گیا۔ مزدوروں نے فوراً سر سے اسباب اتار دیا اور شکاریوں نے اپنی رائفلیں۔ سبھی پیاسے تھے۔ اس لئے سب کے سب فوراً چشمے کے کنارے لیٹ گئے۔ اور پانی میں منہ ڈال کر جنگلی جانوروں کی طرح پانی پینے لگے۔

جانے کب تک وہ اسی طرح پانی پیتے رہے۔ یکایک ہمت سنگھ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ تو اُسے ایک شیر نظر آیا۔ جو اپنے منہ میں ایک مزدور کو اُٹھائے۔ ہوا میں چھلانگ لگا کر چٹان کی دوسری طرف غائب ہو گیا۔ دوسرے لمحے میں پھر ایک گرج سنائی دی اور ایک اور مزدور اُسی طرح شیر کا نشانہ بن گیا۔

ہمت سنگھ اُچھل کر ایک درخت پر چڑھ گیا۔ شینا اور راجینا اُس کے پہلے ہی درختوں پر چڑھ چکی تھیں۔ دلیپ سنگھ اور دوسرے لوگ بھی درختوں پر چڑھنے لگے۔ دو مزدور تو درختوں پر چڑھ گئے۔ لیکن باقی کے دو مزدور چیختے چلاتے پیدل بھاگتے بھاگتے آگے چلے گئے۔

چٹانوں کی آڑ سے دو شیر اُن پر جھپٹے۔ اور پنجہ مار کر انھوں نے اُنھیں اپنے منہ میں لے لیا۔ اور جھاڑیوں کے پیچھے غائب ہو گئے۔

اتنے میں شیروں کا ایک اور جوڑا نظر پڑا۔ ایک شیر تھا۔ ایک شیرنی تھی۔ اور ان کے ساتھ تین چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ شیر اور شیرنی انسانوں کی بو پاکر اور درختوں پر چڑھے ہوئے انسانوں کو دیکھ کر غصے سے دہاڑنے لگے۔ اور چھلانگ لگا کر درختوں کی شاخوں کو چھلانے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر وہ لوگ درخت کی اونچی شاخوں پر بیٹھے تھے۔

شیرنی نے ایک اونچی چھلانگ بھری۔ اس کا پنجہ ہمت سنگھ کی شاخ سے نیچے والی شاخ پر پڑ گیا۔ شاخ کڑکڑائی اور مضبوط پنجے میں ٹوٹ کر شیرنی کے ساتھ نیچے جا پڑی۔

ہمت سنگھ ایک اور اونچی شاخ پر چلا گیا۔

جب آدمی کسی طرح ہاتھ نہ آئے تو شیر اور شیرنی نے درختوں کے نیچے ڈیرہ ڈال دیئے۔ اور غرا غرا کر اوپر دیکھنے لگے۔ شیرنی غصے سے بار بار اپنا پنجہ زمین پر مارتی تھی۔

ہمت سنگھ شینا اور راجینا ایک درخت پر چڑھ گئے دلیپ اور مشتاق اور راموا ایک پیڑ پر۔ بدلو اکیلا ایک پیڑ پر تھا۔ اور دونوں ہاتھوں سے ایک ڈال کے گرد لپٹا ہوا آنکھیں بند کئے خوف سے چیخ رہا تھا۔

ہمت سنگھ نے راجینا اور شینا سے کہا "کم بخت رائفلیں تو نیچے زمین پر رہ گئیں۔ ورنہ ان دونوں شیروں کو میں گولی کا نشانہ بنا دیتا۔"
شینا بولی "اور شیر بھی دیکھ رہے ہیں۔ کہ ہم لوگ نہتے ہیں"
تیسرا پہر گزر گیا۔ سورج غروب ہو گیا۔ شام آگئی۔ پھر اسی طرح پیڑوں پر چڑھے چڑھے رات ہو گئی۔ اور جنگل میں چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ مگر شیر اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔
آدھی رات کے وقت بدلو پہلوان نے کراہ کر اپنے درخت سے کہا۔
"مجھے بھوک لگی ہے"
ہمت سنگھ اپنے پیڑ سے بولا "نیچے شیر کو بھی بھوک لگی ہے۔
پہلوان یہ جواب سُن کر چُپ ہو گیا۔ آدمیوں کو بولتے دیکھ کر شیر غصے سے پھر دہاڑنے لگے۔
تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وادی میں دُور دُور تک جنگل کے مختلف کونوں سے شیروں کی گرج سنائی دینے لگی۔
دلیپ سنگھ بولا "واقعی یہ شیروں کی وادی ہے"
رات بھر وہ لوگ پیڑوں پر چڑھے جاگتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو

ہمّت سنگھ نے دیکھا کہ شیر اُسی طرح پیڑوں کے نیچے بیٹھا ہے اور شیرنی اپنے بچوں کو دُودھ پلا رہی ہے۔

صبح گزر گئی۔ دوپہر آنے لگی۔ شیر اور شیرنی دونوں درختوں کے نیچے بیٹھے تھے۔ درختوں کے اُوپر آدمی ٹنگے تھے۔ وہ بھوکے اور پیاسے اور سہمے تھے۔ نیچے موت تھی۔ اُوپر بھوک اور پیاس تھی۔ جائیں تو کہاں جائیں۔

اِتنے میں درختوں کی شاخوں میں کھٹکا سا ہُوا۔ اور ایک قہقہہ سُنائی دیا۔ شینا نے چونک کر اُوپر دیکھا۔ درخت کی ایک چوٹی پر ایک بندر بیٹھا تھا۔ وہ شینا کو دیکھ کر دانت نکال کر چیخ رہا تھا۔

"وچ وچ کدکد گومُو۔ یایا۔ جُوجُو مُومُو" شینا اُسے دیکھ کر خوشی سے چلّا اُٹھی۔ اُسے فوراً کچھ یاد آگیا۔

"تمھارے پاس چاقو ہوگا؟" شینا نے ہمّت سنگھ سے پُوچھا۔

"ہاں ہے"

شینا کے کہنے پر ہمّت سنگھ نے چاقو نکال کر شینا کو دیا۔ شینا نے چاقو لے کر اپنے بدن سے لگی ہوئی نیل ہرن کی کھال کا ایک کونہ کاٹا۔ اور اُسے بندر کے حوالے کر کے بولی۔

"کُش کُش آ گا۔ مومو اُو گی۔"

بندر نے ہرن کی کھال کا ٹکڑا سونگھا اور دانت نکال کر خوشی سے سر ہلا کر بولا "خو خو ہو۔ مو مو اُو گی اُو گی۔"

یہ کہہ کر بندر شینا کے دیئے ہوئے کھال کے ٹکڑے کو لے کر درخت کی اُونچی شاخ سے دُوسرے درخت اور دُوسرے درخت سے اُچھل کر تیسرے درخت پر چلا گیا۔ اور وہاں سے اُچھل کر ایک چٹان کے پیچھے غائب ہو گیا۔

ہمت سنگھ ہکا بکا ہو کر شینا اور بندر کی گفتگو سن رہا تھا۔ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ آخر اُس نے شینا سے پُوچھا "یہ کیا ماجرا ہے۔ یہ تم کیا مومو مومو کر رہی تھیں؟"

شینا نے کہا "یہ بندر ہمارے جنگل کا ہے۔ مجھے پہچانتا ہے۔ میرے بھائی کو جانتا ہے۔ بندر لوگ میرے بھائی کو جانتا ہے۔ بندر لوگ میرے بھائی کو مومو کہتے ہیں۔"

"کیا بندروں کی بھی زبان ہوتی ہے؟" ہمت نے حیرت سے پُوچھا۔

"سب جانوروں کی الگ الگ زبان ہوتی ہے۔ مگر بندروں کی زبان دوسرے تمام جانوروں سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ کیونکہ بندر دُوسرے

جانوروں سے کہیں زیادہ انسانوں کے قریب ہیں۔"

"تو تم نے اپنے ہرن کی کھال کا ٹکڑا اسے کیوں دیا؟" ہمت نے پوچھا۔

"اِس کھال کے ٹکڑے میں میرے جسم کی بُو باس رچی ہوئی ہے۔ میں نے بندر کو کھال کا یہ ٹکڑا دے کر اپنے بھائی کے پاس بھیجا ہے۔ میرا بھائی کھال کے اس ٹکڑے کو سونگھتے ہی پہچان لے گا۔ اور بندر کے ساتھ چلا آئے گا۔"

"ہمیں اُس سے جُدا ہوئے آٹھ دن ہوئے ہیں۔ وہ آئے گا بھی تو کب؟ جب ہم اس درخت پر بیٹھے بیٹھے بھوک پیاس سے مرجائیں گے۔"

سِیتا اُسے ڈھارس دے کر بولی۔ ہمت نہ ہارو۔ وہ اگر کہیں نزدیک ہوا تو فوراً بھاگا چلا آئے گا۔ اور دُور بھی ہوا تو آٹھ دِنوں کی مسافت دو دن میں طے کر کے آجائے گا۔ اس کے سُنہرے گھوڑے کی رفتار تم نے دیکھی ہے نہ؟"

ہمت سنگھ چُپ ہو گیا

سارا دن درختوں پر چڑھے چڑھے گزر گیا۔ مگر یہ شیرا اور شیرنی بھی بڑے ڈھیٹ تھے۔ درختوں کے نیچے سے جانے کا نام نہ لیتے تھے۔ اُوپر بھوک اور پیاس سے آدمی گھبرا رہے تھے۔ نیچے شیرا اور شیرنی کو بھی

اب بھوک ستانے لگی تھی۔ اور مانس گندھ اُن کے نتھنوں میں آکر انھیں اور پریشان کرنے لگی تھی۔ شکار سامنے درختوں پر موجود تھا۔ اس لئے شیرا اور شیرنی وہاں سے ہلنے کا نام نہ لیتے تھے۔

پھر دوسری رات میں اسی طرح بھوکے پیاسے رہ کر درختوں پر گزر گئی۔ جب صبح ہوئی۔ تو انھوں نے دیکھا۔ کہ شیرنی اپنے بچوں کو لے کر غائب ہے۔ صرف شیر درختوں کے نیچے اپنے پنجے گاڑے بیٹھا ہے۔ اور بھوکی نگاہوں سے پیڑوں کے اوپر دیکھ رہا ہے۔

بھوکے پیاسے رہنے سے وہ لوگ کمزور ہوتے جا رہے تھے۔ ہمّت سنگھ چڑچڑا ہو گیا تھا۔ تلخ لہجے میں بولا "جنگل کا بندر ہی تو ہے۔ کوئی انسان تو نہیں ہے۔ کہ ہر بات یاد رکھے۔ ممکن ہے بندر کھال کا ٹکڑا لے کر اُسے راستے ہی میں پھینک کر کہیں چلا گیا ہو۔"

"پھر اب کیا کرنا چاہتے ہو۔؟" شینا نے پوچھا۔

"کچھ نہیں کر سکتے ہیں ؟" ہمّت سنگھ بڑی بے قراری سے بولا۔

یکایک چشمے کے اوپر ننگی چٹان پر انہیں ایک آدمی کھڑا دکھائی دیا۔ اس کے خوبصورت گندمی جسم کے گرد نیل ہرن کی کھال لپٹی ہوئی تھی۔ اور اس کے سوکھے ہوئے بال کندھوں پر لہرا رہے تھے۔ اور اس کے گھٹے

ہوئے مضبوط جسم میں فولاد کی سختی اور چیتے کی سی پھرتی اور رعنائی معلوم ہوتی تھی۔

ایک لمحے کے لئے اس آدمی نے چٹان کے نیچے لیٹے ہوئے شیر کو دیکھا۔ پھر وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر زور سے چلایا۔

"دھارا۔ دھارا۔ وہ مارا!"

اور چلاتے ہوئے ہوا میں چھلانگتے ہوئے وہ دوسرے لمحے میں شیر کی پیٹھ پر آرہا۔ اور شیر کی پیٹھ سے چپک کر اس نے دونوں ہاتھوں سے شیر کو گلے سے پکڑ لیا۔

پہلا حملہ اس قیامت کا تھا۔ کہ شیر کچھ عرصہ کے لئے گھبرا گیا۔ پھر شیر آخر جنگل کا شیر ہے۔ اور اپنے آپ کو جنگل کا بادشاہ سمجھتا ہے ایک خوفناک گرج سے زمین سے اٹھا۔ اور کئی گز ہوا میں اچھل گیا۔ مگر اس آدمی نے شیر کا گلا نہ چھوڑا نہ اس کی پیٹھ چھوڑی۔ وہ اسی طرح شیر کی پیٹھ سے چپکے بیٹھا رہا۔

نیچے زمین پر آتے ہی شیر نے اسے جھنجھوڑ کر اپنی پیٹھ سے الگ کرنا چاہا۔ مگر کامیاب نہ ہوا۔ تو شیر اک دم بجلی کی سی تیزی سے زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔

وہ آدمی بھی جانوروں کی طرح غرّانے لگا۔ اور اپنے آپ کو بچانے کے لئے اس نے زقند لگا کر شیر کی پیٹھ چھوڑ دی۔ شیر اس پر جھپٹنے والا ہی تھا۔ کہ اُس جوان آدمی نے داؤ بچا کر شیر کے اگلے دونوں بازو درمیان سے پکڑ کر بیکار کر دیئے۔ اور اس کے پچھلے دونوں پنجوں پر اپنے پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور شیر کے بازوؤں کو دُور دُور پھیلا کر اُنھیں چیرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کوشش میں اس کے جسم کا ایک ایک عضو فولاد کے سپرنگ کی طرح لچکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

یکایک اُس آدمی کو اپنے قریب کی چٹان سے کسی جانور کے غرّانے کی آواز سُنائی دی۔ وہ ایک لمحے میں پہچان گیا۔ کہ شیرنی ہے۔ اور اپنے سرتاج کو بچانے کے لئے اس پر حملہ کرنے والی ہے

چشم زدن میں اُس جوان آدمی نے اپنے جسم کا پورا زور لگا کر شیر کو اپنے بازوؤں میں اُٹھا لیا۔

شیرنی نے حملہ کرنے کے لئے ہوا میں چھلانگ لگائی۔

جوان آدمی نے شیر کا جسم پوری طرح ہوا میں زور سے اُچھال دیا شیرنی کا زقند بھرتا جسم ہوا میں اُڑتے ہوئے شیر کے جسم سے ٹکرایا دوسرے لمحے میں شیر اور شیرنی دونوں لڑھک کر چشمہ کے نیچے گہری کھائی میں گر

پڑتے تھے۔ اور وہاں سے کود کود کر باہر نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اُس آدمی نے چٹان پر کھڑے ہو کر اپنے دونوں بازو سورج کی طرف پھیلائے اور پھر زور سے چلایا۔

"دھارا دھارا۔ وہ مارا۔"

پھر اُس نے پلٹ کر چشمے کے کنارے سے شیرنی کے تینوں بچے اپنی گود میں اُٹھا لئے اور اُنھیں لے کر ہمت سنگھ کے پیڑ پر چڑھنے لگا۔

شینا نے فخر سے ہمت سنگھ کی طرف دیکھ کر کہا

"یہ ہے میرا بہادر بھائی۔ گارجنگ۔ جنگل کا راجہ۔

جب گارجنگ اُوپر پیڑ پر آ گیا۔ تو شینا کے سر کے اُوپر ایک بندر زور زور سے چیخا۔ ہمت سنگھ نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ وہی بندر تھا۔ جو ہرن کی کھال کا ٹکڑا لے کر گیا تھا۔

"سب محفوظ ہیں؟" گارجنگ نے اُوپر آ کر شینا سے پُوچھا۔

"ہمارے چار مزدور مارے گئے۔" ہمت سنگھ نے کہا۔ "باقی سب محفوظ ہیں۔"

اِتنے میں شیر اور شیرنی دونوں کھائی سے نکل کر اُوپر آ گئے اور جب شیرنی نے اپنے بچوں کو غائب دیکھا تو غم و غصے سے دہاڑنے لگی۔ اور درخت

کے گرد اس طرح پنجے مارنے لگی۔ جیسے درخت کی جڑ بھی نوچ کر پھینک دے گی۔ شیر بھی آنکھیں لال کئے غضبناک طریقے سے دہاڑتا ہوا دم اکڑائے پیڑوں کے نیچے گھوم رہا تھا۔

"نزاہ زہ وفا۔ ھکوّ" گارجنگ پیڑ پر سے چلایا۔

شینا نے ہمت سنگھ سے کہا "میرا بھائی شیروں کو ھکوّ کہتا ہے۔ یہ جنگل کی زبان ہے۔ اِس زبان میں اب وہ ھکوّ کو طعنہ دے رہا ہے۔ کہ اُس نے شکست کھائی ہے۔ شیر ہو کر ایک آدمی سے پٹ گیا ہے۔ ایک نہتے آدمی سے"

"ھکوّ جچا۔ ھکو بکی!"

"شیر کمزور ہے۔ شیر بزدل ہے"

شیر زور سے گرجا۔ شاید اُس نے جنگل کے راجہ کی زبان سمجھ لی تھی۔ گارجنگ نے شیرنی کے تینوں بچے شاخ سے ذرا آگے جھکا کے شیرنی کو دکھائے اور بولا۔

ھکنی ھکنی بال ڈال جھک۔ ھکنی ھکنی۔۔۔۔۔

ھکنی یعنی شیرنی تڑپ کر اُٹھی اور اتنے زور سے اُچھلی کر بس بچوں سے صرف چند فٹ ہی نیچے رہ گئی تھی۔ گارجنگ نے جلدی سے اپنا ہات

اُوپر کھینچ لیا۔ شیرنی نیچے گر کر تنے پر پنجے مارنے لگی۔ گار جنگ ہنس کر طنزاً بولا۔

"بال ڈاک جھک۔ نورا فوراً مال ڈال جھک ھکنی!"

شینا بولا "میرا بھائی کہتا ہے۔ اے ھکنی۔ اب تیرے بچوں کو بھی اسی طرح مار ڈالوں۔ جس طرح تو نے اُن غریب مزدوروں کی جان لی ہے!"

پھر گار جنگ ایک شاخ پر ذرا آگے بڑھ آیا۔ اور شیرنی کی طرف بولا۔

"ھکنی! ھکنی!!"

شیرنی نے غرا کر اُوپر دیکھا

گار جنگ دیر تک شیرنی کی آنکھ سے آنکھ ملائے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے آہستہ سے شیر کے ایک بچے کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ بچہ زمین پر گر کر چیخا۔ غرایا۔ پھر دوڑ کر اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔

شیرنی اس کے جسم کو چاٹنے لگی۔ بچہ اُس کے تھن سے لگ کر دودھ پینے لگا۔

"ھکنی!" گار جنگ نے پھر کہا۔

شیرنی نے پھر اُوپر دیکھا اور غصّے سے غرّائی بھی۔ مگر اب اس کا غصّہ بہت کم تھا۔ گارجنگ نے دوسرا بچّہ بھی چھوڑ دیا۔

پھر تیسرا بھی۔

تینوں بچّے شیرنی کا دودھ پینے لگے۔

تھوڑی دیر کے بعد گارجنگ پیڑ کے تنے سے پھسلتا ہُوا نیچے اُترنے لگا۔

"کہاں جا رہے ہو گارجنگ؟ شیر تمھیں کھا جائے گا۔ دو دن کا بھوکا ہے۔" ہمّت سنگھ نے گھبرا کر کہا۔

مگر گارجنگ مسکراتے ہوئے نیچے اُتر آیا۔

شیر اسے دیکھ کر غصّے سے غرّایا۔ اور اپنی دُم اینٹھنے لگا۔ شیرنی اُسے غرّاتے دیکھ کر اپنا منہ اُس کی طرف کر کے ایسے لہجے میں دہاڑی جیسے اُس سے کہہ رہی ہو۔ شرم نہیں آتی۔ اس آدمی نے تمہارے بچوں کی جان بخشی دی۔ اور تم اُس پر حملہ کرنے جا رہے ہو؟

شیر شیرنی کی ڈانٹ کھا کے شرمندہ ہو گیا۔ اُس نے گارجنگ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور پرے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ جیسے اُسے گارجنگ سے کوئی واسطہ نہ ہو۔

ھکُنی .. ھکُنی ... گا تا بُو کوُ ۔"

گارجنگ بولتے بولتے شیرنی کے قریب چلا گیا۔ اور اُس کے جسم پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

شیرنی چُپ چاپ لیٹی رہی۔ اس کی نگاہوں میں بڑی ملائمت تھی۔ گارجنگ نے درخت پر چڑھے ہوئے لوگوں کو اشارہ کر کے کہا۔ نیچے اُتر آؤ۔ اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔

باری باری سب نیچے اُترے۔ سب سے پہلے ہمت اُترا پھر شینا اور راجینا۔ پھر دلیپ۔ پھر رامُو اور مشتاق۔ سب سے آخر میں بدلُو پہلوان اُترا۔

شیر اُن آدمیوں کو دیکھ کر پھر غرّایا۔ شیرنی پلٹ کر غصّے سے اُسے ایک پنجہ مارا۔ شیر سر جھکا کر وہاں سے چلا گیا۔

شکاریوں نے اپنی اپنی رائفلیں اُتار لیں۔ اور دیگر ساز و سامان بھی ڈھونڈنے لگے۔

"ھکُنی گراہ۔ ھکُو گراہ۔ گراہ گراہ۔

شینا بولی۔ میرا بھیا شیرنی کو بھی جانے کے لئے کہہ رہا ہے۔ شیرنی اپنی اپنی جگہ سے اُٹھی۔ اُس نے گارجنگ کے پاؤں کو سونگھا۔ اور پھر اپنے جسم

کو اُس کی ٹانگوں سے چھوتے ہوئے ہولے ہولے اپنے بچوں کو ساتھ لے کر وہاں سے چلی گئی۔ اگر ہمت سنگھ نے یہ سارا نظارہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا تو اُسے مشکل سے یقین آتا۔

گارجنگ بولا "شیر جنگل کا سب سے دلیر۔ سب سے بہادر۔ سب سے خوفناک جانور ہے۔ مگر شیر بھی شکر کے جذبے سے ناواقف نہیں ہے۔"

سورج غروب ہونے سے پہلے گارجنگ قافلے کو شیروں کی وادی سے صحیح سلامت باہر نکال لایا۔ پھر واپس جانے کے لئے اجازت طلب کرنے لگا۔ ہمت سنگھ نے پوچھا۔ "نہتے واپس جاؤ گے؟ ہمارے پاس پانچ رائفلیں ہیں۔ ایک تم لیتے جاؤ۔ رات کا وقت ہے۔ اور تمہیں شیروں کی وادی میں سے گزرنا ہوگا۔"

گارجنگ بولا۔ "میں جہاں تک ہو سکے شیروں کی وادی میں رات کو سفر نہیں کرتا۔ جب تک روشنی باقی ہے سفر کروں گا۔ جب اندھیرا بڑھ جائے گا۔ تو کسی درخت پر چڑھ کر سو رہوں گا اور رائفل کی مجھے کیا ضرورت ہے۔ آج تک کسی جانور کی جان لینے کی میں نے ضرورت محسوس نہیں کی۔ شیر تک کی نہیں۔"

"کیا تم موت سے نہیں ڈرتے؟" دلیپ سنگھ نے پوچھا۔
"موت ایسی ہی قدرتی اور لازمی شئے ہے۔ جیسے سورج۔ ہوا۔ آسمان زمین۔ کیا تم ان چیزوں سے ڈرتے ہو؟"
دلیپ نے کہا: "راستے میں اگر پھر کسی شیر نے حملہ کر دیا؟"
"پھر اس وقت دیکھیں گے" گارجنگ نے مسکرا کر کہا "کس کو کس کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ شیر کو شیرنی کی۔ یا مجھے رائیفل کی فی الحال تو میرے دونوں ہات کافی ہیں" پھر وہ سامنے کے علاقے کی طرف دیکھ کر بولا۔
"یہ سامنے کے پہاڑوں کا سلسلہ جب ختم ہو جائے۔ تو اس چوٹی پر پہنچ کر تم سردار جمبک کا لال قلعہ دیکھو گے۔ سردار جمبک کا علاقہ سب سے خطرناک ہے۔ سُنا ہے۔ کہ وہاں سے آج تک کوئی مسافر اپنی جان بچا کر واپس نہیں لے گیا۔ لیکن اگر تم وہ دو پتھر اسے دے دو گے۔ اور میرا مطلب ہے سردار جمبک سے میرا نام لے لو گے۔ تو وہ تمہیں خیریت سے گزر جانے دے گا"
شینا بولی "بھیا! ہم ایسا ہی کریں گے۔ جیسا تم نے کہا ہے۔ ویسا ہی کریں گے۔ گھر سے چلتے وقت تم نے ہمیں جو دو پتھر دئے تھے۔ وہی پتھر ہم سردار جمبک کے حوالے کر دیں گے"
"اچھا تو اب میں جاتا ہوں"

جمبک کا قلعہ

گارجنگ نے اپنی دونوں بہنوں کو گلے سے لگایا۔ ہمت سنگھ اور دلیپ سے ہاتھ ملایا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا جنگل کے دھندلکے میں غائب ہو گیا۔

جب تک گارجنگ غائب نہیں ہو گیا۔ ہمت حیرت اور شک کے ملے جلے جذبات سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے کچھ سوچتے ہوئے۔ دلیپ سے مخاطب ہو کر بولا۔

"عجیب انسان ہے۔ کس قدر نڈر۔ بے خوف و خطر!"

دلیپ نے کہا "میں نے سنا ہے۔ کہ افریقہ میں ایک ایسا ہی انسان رہتا ہے۔ اور اس کا نام ٹارزن ہے۔ لیکن اگر میں نے اپنی آنکھوں سے گارجنگ کو نہ دیکھ لیا ہوتا۔ تو کبھی یقین نہ کرتا۔ کہ ٹارزن ایسا انسان بھی دنیا کے کسی خطے میں ہو سکتا ہے"

"ہم لوگ اب اپنے احساس اور جذبات میں شہری ہو گئے ہیں۔ اور اپنی حفاظت کے سلسلے میں اس قدر بزدل ہو چکے ہیں کہ قدم قدم پر پولیس اور فوج کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ موجودہ تہذیب کی بہت سی اچھائیوں میں ایک خامی اور غالباً سب سے بڑی خامی یہ بھی ہے۔ کہ اس نے انسان کو بزدل بنا دیا ہے۔ ورنہ جنگل کو دیکھئے۔ آج تک

جمباک کا قلعہ

جنگل کے کسی جانور کو خرگوش سے لے کر شیر تک کسی کو پولیس اور فوج کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ گارجنگ چونکہ شروع ہی سے جنگل میں رہتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی حفاظت کے لئے ہم شہریوں کی طرح دوسروں کا محتاج نہیں ہے۔

اسی طرح باتیں کرتے کرتے وہ لوگ آگے چل پڑے۔

آگے کا راستہ اُترائی کا تھا۔ اور پھسلواں چٹانوں کا تھا۔ جن پر سبز رنگ کی کائی اُگی ہوئی تھی۔ اِس لئے بے حد سنبھل سنبھل کر قدم رکھنا پڑتا تھا۔ اب وہ مشرق سے مغرب کی طرف جا رہے تھے۔ جہاں ایک اُونچی گھاٹی سے پرے اُس طرف وہ بڑا پہاڑ نظر آرہا تھا۔ جس کے دُوسرے طرف کی وادی میں سردار جمباک کا قلعہ تھا۔ اگر وہ وہاں تک خیریت سے پہنچ جائیں تو سمجھو سفر خیریت سے کٹا۔

اسی طرح باتیں کرتے۔ ایک دوسرے کو سہارا دیتے وہ بہت سا راستہ طے کر گئے۔ لیکن جوں جوں وہ آگے بڑھتے جاتے تھے۔ راستہ کھلنے کے بجائے اور تنگ ہوتا جاتا تھا۔

آخر وہ یہ خطرناک اُترائی اُتر کر ایک گہری کھڈ میں جا پہنچے۔ یہ جگہ صرف دو سو فٹ چوڑی اور لمبی تھی۔ اور اس کے چاروں طرف اونچی

اُونچی چٹانیں تھیں ۔ جن پر سے کوئی راستہ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔
ہمت سنگھ نے اپنے سامنے کی چٹان کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ "کسی طرح سے ہمیں اس چٹان پر چڑھنا چاہیئے ۔ اس کے بالکل پیچھے کو ہمیں وہ کھائی نظر آئی تھی ۔ جس کے پیچھے ہم نے وہ بڑا پہاڑ دیکھا تھا۔ جس کی چوٹی پر پہنچ جانے سے ہمیں سردار جمباب کا قلعہ نظر آئے گا ۔
" مگر اس چٹان پر ہم چڑھیں کیسے ؟" مشتاق بولا۔ "کہیں کوئی راستہ تو نظر نہیں آتا ۔ اور یہ چٹان کم سے کم دو ہزار فٹ اُونچی ہے ۔ اور سیدھی عمودی چٹان ہے ۔ کہیں پر قدم جمانے کے لیئے کوئی جگہ نظر نہیں آتی"۔
"اور اندھیرا بھی بڑھ رہا ہے ۔!" رامو بولا
دلیپ نے کہا "میرے خیال میں بھیا آج رات یہیں آرام کریں۔ یہ جگہ چٹانوں سے اس قدر گھری ہے ۔ اور ایسی تنگ کھائی میں واقع ہے ۔ کہ یہاں کسی جانور کا گزر بھی نہیں ہو سکتا ۔ صبح دیکھیں گے ۔ اور اگر کہیں آگے جانے کا راستہ نہ ملا ۔ تو واپس جاکر اس پہاڑ تک پہنچنے کا کوئی دوسرا راستہ تلاش کریں گے !"
"ہاں یہ ٹھیک ہے !" ہمت سنگھ نے کہا ۔
ان سب لوگوں نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا ۔ سبھی تھکے ہوئے تھے اور

جگہ بھی کم تھی۔ اس لئے ایک دُوسرے کے اس بیٹھے ہُوئے ہی اُن لوگوں نے اپنی رائفلیں اُتار دیں۔ اور جھولوں میں سے کھانے کا سامان نکالنے لگے۔

اتنے میں اُن لوگوں کو ایک جھٹکا سا لگا۔ جیسے زمین ان کے نیچے سے کھسک رہی ہو۔ پہلے تو ہمت سنگھ نے سمجھا۔ شاید کوئی زلزلہ یا بھونچال آ رہا ہے۔

پھر ایک اور جھٹکا لگا۔ اور اُن سب کے قدم زمین سے اُوپر اُٹھ گئے۔

اُن سب نے گھبرا کر ایک دُوسرے کے جانب دیکھا پھر نیچے زمین کی طرف۔ جو اب اُن کے قدموں سے نیچے کھسکتی جا رہی تھی۔

ہمت سنگھ نے گھبرا کر اُوپر دیکھا۔ اور اُس کے ساتھ ہی فوراً دوسرے لوگوں کی نگاہیں بھی اُوپر اُٹھ گئیں۔

اُن لوگوں نے دیکھا۔ کہ وہ ایک بہت بڑے جال کے اندر ہیں۔ اور جال دِھیرے دِھیرے زمین سے اُٹھ کر اُوپر ہوا میں جھولتا جا رہا ہے۔

(۲)

دُوسرا باب

باسُوچی قبیلہ

جُوں جُوں جال اُوپر چڑھتا جاتا تھا۔ اس کا گھر آہستہ آہستہ تنگ ہوتا جاتا تھا۔ وہ لوگ جال میں ایسے گڈ مڈ ہو کر پھنس گئے تھے۔ جیسے مچھلیاں۔ ہمت سنگھ نے دیکھا۔ کہ بہت سی عورتیں مل کر جال کو چٹان کے اُوپر کھینچ رہی ہیں۔ اُن عورتوں کا رنگ گورا تھا۔ منہ چپٹا اور ذرا سی ناک بٹن کی طرح چہرے پر اُبھری ہوئی تھی۔ ان کے بال سیاہ تھے۔ اور کھلے بازو مردوں کی طرح مضبوط تھے۔ یہ عورتیں خوشی کے قہقہے لگا رہی تھیں۔ اور جال کو اور کھینچتی جاتی تھیں۔

جب جال چٹان کے اُوپر کی نوک پر پہنچ گیا۔ تو ان عورتوں نے ایک آخری جھٹکا دے کر جال کو اپنے قریب زمین پر کھینچ لیا۔ اور جال میں تڑپتے ہوئے۔ آدمیوں کے سروں پر ڈنڈے مار مار کر انھیں بیہوش کر دیا۔

جب ہمت سنگھ ہوش میں آیا۔ تو اُس نے دیکھا۔ کہ وہ ایک آہنی تہہ خانے میں لوہے کی بڑی بڑی زنجیروں سے بندھا ہُوا پڑا ہے۔ اور اُس کے قریب ہی اس کا بھائی دلیپ۔ رامُو اور مُشتاق بھی اُسی طرح زنجیروں سے بندھے پڑے ہیں۔ مگر شینا اور راجینا غائب ہیں۔

اِس تہ خانے میں چار اور آدمی بھی زنجیروں سے بندھے ہوئے پڑے ہیں۔ اُن کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ کئی دن کے فاقے سے ہیں۔ اُن لوگوں کی ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ اور کپڑے میلے کچیلے بوسیدہ اور تار تار تھے۔ اُن میں سے ایک آدمی جس کی داڑھی سب سے لمبی تھی۔ اور سر کے بال بہت چھوٹے تھے اور جو باقی تینوں سے مضبُوط دکھائی دیتا تھا۔ اُس سے ہمت سنگھ نے پُوچھا۔

"آپ لوگ یہاں کب سے قید ہیں؟"

"دس دن سے" لمبی ڈاڑھی والا بھاری آواز میں بولا۔

"کیا جرم کیا ہے تم نے؟"
"وہی جو تم نے کیا ہے" ڈاڑھی والا بولا۔
"مجھے تو کچھ معلوم نہیں" ہمت بولا
"تو ہم کو بھی کچھ معلوم نہیں!" ڈاڑھی والے نے تلخ لہجے میں کہا۔
"تم ایسی کڑوی بات کیوں کرتا ہے؟" ہمت نے غرّا کے اُس سے کہا۔

وہ ڈاڑھی والا بولا "او برادر ہم دس دن سے بھوکا ہے۔ دس دن میں ہم کو صرف دو بار کھانا ملا ہے۔ ہم کڑوی بات نہیں کرے گا۔ تو میٹھی بات کدھر سے کرے گا۔ ہم عبدالرحمان ہے۔ کابلی پٹھان ہے"
"تم کابلی پٹھان ہے۔ تو ادھر کیا کرنے آیا ہے۔ کابل سے؟"
"او برادر! ہم بمبئی میں ڈرائی فروٹ بیچتا تھا۔ کشمش۔ خوبانی۔ بادام پستہ۔ چلغوزہ۔ یہ اَمارہ بھائی لوگ" عبدالرحمان خان نے باقی کے تین قیدیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہ امارا بھائی لوگ۔ یہ سردار کرپال سنگھ ہے۔ اُدھر بمبئی میں ٹیکسی ڈرائیور تھا۔ یہ کریم خاں اس کا کلینر تھا۔ یہ امارہ دوست وکٹور ہے"
"وکٹر؟"

"ہاں وکٹوز ہے۔ بہت پڑھا لکھا اُلّو کا پٹھا ہے۔ ہم کو بہکایا بولا— خان! اُدھر ہندوستان اور تبت کی سرحد پر اُونچا اُونچا پہاڑوں کے بیچ میں ایک جھیل ہے۔ جھیل تم سمجھتا تو تھا۔ مگر اس نے انکار میں سر ہلایا۔ عبدالرحمٰن خاں بہت خوش ہوا۔ بولا "تم بھی اُمکو اک دم گدھا معلوم ہوتا ہے۔ جھیل نہیں سمجھتا ہے؟ جھیل بڑا پانی کو بولتے سمندر سے چھوٹا۔ دریا بڑا۔ اِس وکٹور کے بچّے نے اُمکو بولا۔ اِدھر ہندوستان اور تبت کی سرحد پر ایک جھیل ہے۔ جس میں بڑا بڑا موتی پایا جاتا ہے۔ یہ بڑا کبوتر کے انڈے کے ماقق۔ وکٹور بولا۔ ہمارے پاس اس کا نقشہ بھی ہے۔ اِس نے امکو سمجھایا۔ اُس کا بات امارے سمجھ میں آگیا۔ ہم اپنا ڈرائی فروٹ کا دھندا بیچ باٹ کے اپنے دوست کرپال سنگھ اور اپنے چھوٹے بھائی کریم خاں کو لے کر موتی جھیل کی تلاش میں اِدھر آگیا۔ اور یہاں پکڑا گیا۔ اب دس دن سے اِدھر قید ہے۔"

عبدالرحمان خاں نے اِتنا کہہ کر منہ پھیر لیا۔

"ہم لوگوں کو قید کرانے والے کون لوگ ہیں؟" ہمت سنگھ نے وکٹر سے پوچھا۔ جو ان چاروں میں سب سے زیادہ ذہین اور سمجھ دار معلوم ہوتا تھا۔

وکٹر بولا۔" یہ باسُوچی قبیلے کا قید خانہ ہے۔ کسی زمانے میں اس قبیلے کی حکومت اِس سارے علاقے میں تھی۔ اِس قبیلے کے لوگ اپنی بہادری اور شکار کے شوق کے لئے علاقے بھر میں مشہور تھے۔ مگر ہوا یہ کہ اس علاقے کے سارے مرد ایک ایک کر کے قریب کی وادی میں شیروں کا شکار ہو گئے اِن لوگوں کو شیر کے شکار کا بہت شوق تھا۔ مگر ہُوا یہ کہ قریب کی وادی جو شیروں کی وادی کہلاتی ہے۔ وہاں کے شیر بھی بڑے خونخوار ہوتے ہیں۔ ایک ایک کر کے اِن شیروں نے باسُوچی قبیلے کے سارے مُردوں کو ختم کر دیا۔ جو شیر کے شکار کے شوق میں دن رات شیروں کی وادی پر دھاوے مارتے تھے۔ اب باسوچی قبیلے میں صرف عورتیں رہ گئیں تھیں۔ اب وہی اِس علاقے پر حکومت کرتی ہیں۔ انھوں نے ہی ہمکو قید کر رکھا ہے۔

"آخر کیوں؟" ہمت سنگھ نے پوچھا۔

وکٹر بولا" چونکہ اِس قبیلے میں مَرد ختم ہو چکے ہیں۔ اس لئے اِس قبیلے کی عورتیں مردوں کا شکار کرتی ہیں۔ اور باہر سے آنے والے مردوں کو پکڑ کر قید کر لیتی ہیں۔ اور اُن سے زبردستی شادی کر لیتی ہیں"

"کوئی زبردستی کیسے شادی کر سکتا ہے۔

" بھُوکا رکھ کر" عبدالرحمان خان بولا۔ ہم کو دس دن سے بھُوکا رکھا

جو دیوار کے ہُک میں پھنسا ہُوا تھا۔ کھولا۔ اور ان پانچوں کو قید خانے سے نکال کر باہر لے گئیں۔ اُن سب قیدیوں کے پاؤں میں بھاری بیڑیاں تھیں اور ہاتھ لوہے کی ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔

اب یہ لوگ تہ خانے سے باہر کی ایک گہری لمبی غار میں سے گزر رہے تھے۔ جگہ جگہ عورتوں نے مردوں کی طرح لنگی نما تہمد باندھ رکھے تھے! ور تہمد کے اُوپر ایک ڈھیلی ڈھالی قمیض پہن رکھی تھی۔ بالکل مردوں کی طرح۔ ان عورتوں کے بازو بڑے مضبوط تھے۔ اور ان کی مچھلیاں اُبھری ہوئی تھیں اور سینہ چوڑا تھا۔ اور گردن موٹی تھی۔ اور چہرے سے عجیب سختی اور خشونت نمایاں تھی۔ کسی کے ہاتھ میں نیزہ تھا کسی کے ہاتھ میں موٹا سا ڈنڈا تھا۔ جس کا ایک بھرپور وار سر پھوڑنے کے لئے کافی تھا۔ کئی عورتوں کے ہاتھ میں چابُک تھے۔ جس کا ایک سرا زمین پر لٹکتا رہتا تھا دوسرا سرا اُن کی کلائی میں بندھا رہتا تھا۔

لمبی غار سے نکل کر وہ لوگ انھیں ایک آہنی پھاٹک میں سے گزر کر پچاس ساٹھ سیڑھیوں کے اُونچے دالان میں سے گزر کر پتھر کی ایک بڑی عمارت کے اندر لے گئے۔

(۳)

تیسرا باب

دربار ہال

جس کمرے میں وہ لوگ پہنچائے گئے۔ وہ قبیلے کا دربار ہال کہلاتا تھا۔ یہ اس عمارت کا سب سے بڑا کمرہ تھا۔ اس کمرے کا ایک طرف ایک بڑا چبوترہ سا بنا ہوا تھا۔ جس پر لکڑی کا ایک تخت رکھا تھا۔ جس پر ہرے اور پیلے رنگ کی تھیلیوں کے نقش کھدے ہوئے تھے۔ تخت کے دونوں طرف دائیں بائیں سات سات مونڈھے پڑے ہوئے تھے۔

چبوترے کے زینے سے اتر کر دربار ہال کے سامنے کے حصہ میں

بانس کی تیلیوں سے بنا ہُوا فرش بچھا تھا۔ اس فرش کے تینوں طرف نیم دائرے کی صورت میں ناچ کے لئے جگہ خالی چھوڑ دی گئی تھی۔ خالی جگہ کے پیچھے تیس چالیس بنچ پڑے ہوئے تھے۔ اور اُن بنچوں کے پیچھے باریک پردے لٹک رہے تھے۔ ان باریک پردوں اور جھلملیوں کے اندر ایک اور کمرہ دکھائی دیتا تھا۔ جس کے اندر بہت سے مرد شلواریں گھاگھرے۔ ساڑھیاں پہنے بیٹھے تھے۔ اُن کے گلے میں جست کی یا چاندی کی بڑی بڑی ہنسلیاں تھیں۔ اور پاؤں میں ٹخنوں سے اُوپر تک چاندی کی بھاری جھانجھیں تھیں۔ اور کڑے تھے۔ کئیوں کی ناک چھدی ہوئی تھی۔ اور اس کے سوراخ میں ایک نتھ نما زیور ان کی ڈاڑھی کے اُوپر ہل رہا تھا۔

"اُوئی اللہ کمر ٹوٹ گئی" ایک مرد نے اِٹھلا کر کہا "کب سے اس بچے کو اُٹھائے اُٹھائے گھوم رہے ہیں۔ اَے بہنا ذرا اس کو اُٹھالو۔ کمر سیدھی کر لوں۔"

"ہائے رام!" دوسرا مرد کراہتے ہوئے بولا "دن بھر چولہا پھونکتے۔ چکی چلاتے۔ بچے اُٹھاتے گزر جاتا ہے۔ اب یہاں ذرا فراغت پاکر ننھے قیدیوں کو دیکھنے آئے ہیں۔ کہ تم اس بچے کو ہمارے سر پر لا رہے ہو۔ اچھا بھیا۔

لادو لادو۔

تیسرا مرد چوتھے مرد کی گردن میں پڑی ہوئی ہنسلی کی طرف رشک آمیز نگاہوں سے دیکھ کر بولا "یہ ہنسلی نئی لی ہے تم نے؟" "ہاں!" چوتھا مرد بڑے فخر سے بولا۔ "میری عورت نے بنوا دی ہے۔ میری عورت مجھ سے بہت پیار کرتی ہے۔ ہر ماہ ایک نیا زیور بنوا دیتی ہے۔"

"اپنی اپنی قسمت ہے بھیا!" تیسرا مرد اک آہ بھر کر بولا۔ میری عورت نے مجھ پر چھ سوت لا کے بٹھا دیئے ہیں۔ میں اس کا پہلا مرد ہوں۔ مگر اب تو وہ میرا خیال بھی نہیں کرتی ہے۔ چھ چھ ماہ ہو جاتے ہیں۔ اس کی صورت دیکھے ہوئے۔ مگر وہ ہر سال نیا بیاہ کر لیتی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ عورت جات کتا جات۔ اس کی ہوس کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہے۔"

پانچواں مرد سرگوشی کرتے ہوئے چھٹے مرد سے سسکتے ہوئے بولا "میں نے میکے جانے کا نام لیا۔ تو کم بخت نے چابک مار مار کر میری کھال ادھیڑ دی۔ میری عورت بڑی جالم ہے۔ ہے بھگوان! اگلے جنم میں مجھے مرد مت بنانا۔

"یہ مرد ہیں یا عورتیں؟" ہمت سنگھ نے ایک عورت چوکیدار سے پوچھا۔

"یہ مرد ہیں"
"مگر عورتوں کا لباس کیوں پہنے ہوئے ہیں؟"
"عورتوں کا لباس؟" وہ چوکیدار حیران ہوکر بولی "ہمارے یہاں سبھی مرد یہی لباس پہنتے ہیں"
"اور ان کے کمرے کے آگے پردے کیوں لگائے گئے ہیں؟" ہمت نے پھر پوچھا۔
"کیونکہ یہ مردانہ ہے"
"مگر پردہ تو زنانے میں ہوتا ہے" ہمت نے کہا۔
"زنانے میں ہوتا ہے۔؟" وہ عورت چیخ مار کر ہنسی "احمق پردہ تو ہمیشہ مردانے میں ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں تو ایسے باوفا عصمت شعار مرد موجود ہیں۔ جن کی صورت آج تک کسی عورت نے نہیں دیکھی۔ ایسا سخت پردہ کرتے ہیں وہ!"
"عجب دیس ہے یہ!" ہمت نے حیران ہوکر اپنے آپ سے کہا "کہاں آکے پھنس گئے؟"
اتنے میں اندر مردانے میں سے مردوں کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ بہت سے مرد ایک دوسرے پر پلے پڑے تھے۔ اور اپنی ساڑھیاں اور

اور گھاگھرے اٹھائے ایک کونے میں بھاگ رہے تھے۔ یہ شور سُن کر دو چوکیدار عورتیں جلدی سے اُن کے کمرے میں گھسیں اور جاتے ہی ڈانٹ کر پوچھا۔

"کیا ہے؟"

مردوں کی گھگھی بندھی ہوئی تھی۔ آخر ایک مرد کی زبان سے خوفزدہ لہجے میں بڑی جدوجہد کے بعد صرف اتنا نکلا۔

"چوہا!"——

ایک چوبدار عورت نے ہنس کر اپنے نیزے سے ٹھوکر سے چوہے کو بھگا دیا۔ جب جا کے کہیں مردوں کی جان میں جان آئی۔

ہمت سنگھ نے یہ ماجرا دیکھ کر نفرت سے منھ پھیر لیا۔

اتنے میں ایک دروازے سے دو چوبدار عورتیں داخل ہوئیں۔ اُن کے ہاتھ میں بانس کا بنا ہوا سینگ نما باجہ سا تھا۔ جس میں شنکھ کی سی آواز نکلتی تھی۔ ان دونوں عورتوں نے دروازہ پر کھڑے ہو کر وہ بانس کا باجہ بجایا۔

مردانے میں ہل چل سی پیدا ہوئی۔ چوڑیوں کے کھنکنے کی صدا سنائی دی۔ اور سب مرد دوپٹے اوڑھنی۔ یا ساڑھی کے پلّو سے اپنا سر

اچھی طرح سے ڈھک کر بیٹھ گئے۔

پہلے چار باڈی گارڈ عورتیں نیزے ہاتھ میں تھامے داخل ہوئیں۔ اُن کے پیچھے پیچھے ایک گوری چٹی مضبوط موٹی عورت۔ سر پہ مور کے پروں کے تاج پہنے ہوئے داخل ہوئی۔ یہ غالباً قبیلے کی سردار ہوگی۔ ہمت سنگھ نے سوچا۔

مور کا تاج پہنے ہوئے وہ عورت جب گزر گئی۔ تو چند قدم کے فاصلے پر اس کے پیچھے پانچ عورتیں داخل ہوئیں۔ اُن کے سر کے بال کھلے تھے۔ اور ایک لال پٹی انھوں نے اپنے سر پہ باندھی ہوئی تھی۔ اور اُس پہ مور کا صرف ایک پنکھ لگا تھا۔ ان کے گزر جانے کے بعد پانچ عورتوں کا دوسرا گروپ داخل ہوا۔ اُنھوں نے بھی اپنے سر پہ مور کا ایک پنکھ لگا رکھا تھا۔

اب مردانے میں سب مرد سر جھکائے کھڑے تھے۔ جب مور کا تاج پہنے ہوئی عورت تخت پر بیٹھ گئی۔ اس کے بعد ہی اپنی جگہوں پر بیٹھے۔ تخت کے دائیں جانب دو عورتیں نیزے لے کر کھڑی ہوگئیں۔ اُس کے بعد دو عورتیں جنھوں نے سر پہ مور پنکھ لگا رکھا تھا۔ تخت کے دائیں بائیں مونڈھوں پر بیٹھ گئیں۔

ایک چھ بدار عورت نے تالی بجائی۔

تالی بجاتے ہی دُوسرے دروازے سے دس مرد داخل ہوئے۔ اُنھوں نے آکے سب سے پہلے تخت کے سامنے سر جھکایا۔ اور پھر بانس کی تیلیوں سے بُنے ہوئے فرش کے نیم دائرے میں ناچ شروع کر دیا۔ ناچ کے دَوران میں جس مرد کی ڈاڑھی سب سے زیادہ ہلتی تھی۔ اسے سب سے زیادہ انعام دیا جاتا تھا۔

جب ناچ ہو رہا تھا۔ اور عورتیں بڑھ بڑھ کر داد دے رہی تھیں۔ اُس وقت ہمت سنگھ نے ایک چوکیدار سے آہستہ سے پُوچھا۔

"وہ جو تخت پر بیٹھی ہے۔ وہ قبیلے کی سردار ہے کیا؟"

"ہاں!"

"اس کا نام کیا ہے؟"

"آٹنگا!"

"اور وہ جو دائیں طرف بیٹھی ہے۔ اُس کا نام؟"

"ازدُنگا۔"

"اور بائیں طرف والی؟"

"وہ بھجنگا ہے۔"

"اور اُس کے ساتھ والی ؟"

"وہ ہڑبونگا ہے ۔"

آٹنگا نے تالی بجائی ۔ ناچ اُسی وقت ختم ہو گیا ۔ اور رقص کرنے والے مرد باہر چلے گئے ۔ اُن کے جانے کے بعد ہی چار چوبدار ایک قدِ آدم ترازو اُٹھا کر لائے ۔ اور اُسے فرش پر تخت کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ ترازو کیوں منگایا گیا ہے ؟" ہمت نے پُوچھا۔

چوبدار نے کہا۔ "ابھی دیکھتے جاؤ ۔ کیا ہوتا ہے ۔"

جب ترازو آٹنگا کے سامنے نیچے فرش پر رکھ دیا گیا ۔ تو اس نے ہات سے تالی بجا کر اشارہ کیا ۔

اشارہ پاتے ہی دائیں دروازے سے پانچ عورتیں پیلے تہمد پہنے ہوئے داخل ہوئیں ۔ پیلے تہمد اور کالے بلاؤز اور سر کے بال چوٹی میں گُندھے ہوئے ۔

"یہ کون ہیں ؟" ہمت سنگھ نے عورت چوبدار سے پُوچھا۔

چوبدار عورت بولی "یہ وہ عورتیں ہیں جنہیں آٹنگا نے ہماری قبیلے کی کنواریوں سے تم سے شادی کرنے کے لئے چُنا ہے ۔"

پانچوں عورتیں دونوں ہات جوڑ کر قبیلے کی سردار کے سامنے

جُھکیں - پھر ایک طرف کو کھڑی ہو گئیں -

آٹنگا بولی "قیدیوں کو سامنے لاؤ"

ہمت سنگھ - دلیپ - مشتاق - رامو اور بدلو قطار میں اُن پانچوں عورتوں کے سامنے کھڑے کر دیئے گئے - مگر کوئی بیس گز دُور -

وہ پانچوں عورتیں ان قیدیوں کو غور سے اس طرح دیکھ رہی تھیں گویا سر سے پاؤں تک ان کا جائزہ لے رہی ہوں -

آٹنگا نے حکم دیا - "چن لو"

یہ سُنتے ہی وہ پانچوں عورتیں اپنی جگہ سے تیزی سے اُٹھائے ہوئے بھاگیں - اور دوڑ کر انھوں نے ایک ایک مرد پر اپنا نیزہ رکھ دیا -

"تولو" آٹنگا نے کہا

"کس کو تولا جائے گا؟" ہمت نے پوچھا

وہ چوبدار عورت بولی "ہمارے ہاں دستور ہے - کہ شادی سے پہلے مرد اور عورت کو تولا جاتا ہے - ایک پلڑے میں مرد - دوسرے پر عورت - اگر دونوں کا وزن برابر ہو - تو شادی ہو جاتی ہے -

"اور اگر وزن برابر نہ ہوا؟"

" تو اگر مرد کا وزن زیادہ ہے - تو اُسے بھوکا رکھا جاتا ہے - جب

تک کہ اُس کا وزن عورت کے برابر نہ ہو جائے۔ اور اگر وزن کم ہُوا۔ تو اُس مرد کو اچھی اچھی غذائیں کھلا کے موٹا کیا جاتا ہے۔ تاکہ اُس کا وزن عورت کے برابر ہو جائے۔"

بدلو پہلوان کا وزن زیادہ نکلا۔ اس لئے اُسے پندرہ دن فاقے پر رکھنے کا حکم صادر ہوا۔ رامو۔ مشتاق۔ دلیپ اور ہمّت کے وزن کم نکلے۔ اُنھیں عمدہ کھانے کھلانے کا حکم ہوا۔ پندرہ دن کے بعد پھر سب کو تولا جائے گا۔

ہمّت سنگھ نے اطمینان کا سانس لیا۔ چلو پندرہ دن تک تو بلا ٹلی۔ پھر آگے دیکھا جائے گا۔

بدلو پہلوان چلانے لگا۔ اور قبیلے کی سردار عورت کے سامنے سر پٹک کے رونے لگا "حضور میری شادی کر دیجئے۔ ابھی کر دیجئے۔ مگر مجھے بھوکا نہ ماریئے۔"

لے جاؤ۔ اِن سب قیدیوں کو لے جاؤ۔" ٹنگا گرج کر بولی۔ نیزہ بردار عورتیں ان لوگوں کو واپس قید خانے میں لے گئیں۔

رات کو جب ان کے قید خانے کا پھاٹک کھلا۔ تو کھانا لانے والی عورتوں کے ساتھ شینا اور راجپنا بھی داخل ہوئیں۔ مگر اب اُنھوں

نے ہرن کی کھال اُتار دی تھی۔ ان دونوں نے بھی قبیلے کی دوسری عورتوں کا سا مردانہ پہن لیا تھا۔ لنگی اور بلاؤز اور اُن کے سر کے بال کُھلے تھے اور اُن کے دانت سیاہ تھے۔

"یہ دانتوں کو تم نے کیا کیا ہے؟" دِلیپ نے حیران ہو کر راجینا سے پُوچھا۔

راجینا بولی "کالے دانت اس قبیلہ میں خوبصُورتی کی نشانی سمجھے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کا خیال ہے۔ کہ گورے رنگ پر کالے دانت بہت خوبصُورت دکھائی دیتے ہیں۔ اس لئے یہاں کی عورتیں پان کوئی ایسا مصالحہ ڈال کر کھاتی ہیں۔ جس سے اُن کے دانت دن بھر کالے رہتے ہیں۔"

"لعنت ہے ایسی خوبصورتی پر" دِلیپ نے نفرت سے کہا۔

"اپنے اپنے دیس کا رواج ہے" راجینا بولی۔ اب ان لوگوں نے تمہیں بھی اپنے قبیلے میں شامل کر لیا ہے۔ تو جیسا دیس ویسا بھیس!

شِیناؔ نے آہستہ سے سب کی نظر بچا کر ہمت کے کان میں کہا۔ تم فکر نہ کرو۔ ہم دونوں نے ایسا مصلحتاً کیا ہے۔ ورنہ ہم رہائی کی کوشش جاری رکھیں گی۔"

راجینا دلیپ کو چڑھاتے ہوئے بولی "سچ پُوچھو تو یہ دیس مجھے بہت پسند آیا ہے۔ یہاں مرد کھانا پکاتے ہیں۔ کپڑے دھوتے ہیں۔ اور بچے کھلاتے ہیں۔ پردہ کرتے ہیں۔ اور افیم کھاتے ہیں۔ یہاں سب مردوں کو روزانہ افیم کھلائی جاتی ہے۔ افیم کھا کر مرد سارا دن گھر میں پڑے رہتے ہیں۔ اور عورتیں گھر کے باہر کا سارا کام کرتی ہیں۔ وہی شکار کر کے لاتی ہیں۔ وہی کھیتی باڑی کرتی ہیں۔ وہی دشمنوں سے لڑتی ہیں۔۔ مجھے یہ دیش بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

"تو یہیں رہ جاؤ۔" دلیپ نے جل کر کہا۔

راجینا بولی "ممکن ہے یہیں رہ جاؤں۔ اور پھر اپنی چھوٹی سی زبان نکال کر اس کا منہ چڑھاتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

"کیسے بزدل مرد ہیں۔ یہاں کے!" دلیپ کا خون کھول رہا تھا۔

"یہ سب موت کا اثر ہے۔" ڈکٹر بولا۔ آج سے پچاس برس پہلے یہاں کے مرد آپ کی ہماری طرح ہوا کرتے تھے۔ مگر جب شیروں کے شکار کے شوق میں سب مرد اپنی جان سے ہات دھو بیٹھے تو عورتوں نے یہاں کی حکومت سنبھال لی۔ اور انھیں وہ سب کام کرنے پڑے جو اِس سے پہلے

مرد کرتے تھے۔ اقتدار طاقت اور تجربے نے اُن کے اندر وہ سب صلاحیتیں بیدار کر دیں۔ جو اُس سے پہلے صرف مردوں کے پاس ہوتی تھیں۔"

ہمت سنگھ نے دانت پیس کر کہا: "جتنی جلدی ہو سکے۔ ہمیں یہاں سے فرار ہو جانا چاہیئے۔"

عبدالرحمان خان بولا: "او برادر! اس تہ خانے سے فرار ہونا بہت مشکل ہے۔"

ہمت سنگھ نے کہا: "ایک رائیفل میرے ہاتھ میں آ جائے۔ پھر میں دیکھ لوں گا۔"

"فی الحال تو ہاتھ میں لوہے کی ہتھکڑیاں ہیں۔" ڈکٹر تلخ لہجے میں بولا۔

شینا اور راجینا ہر روز کھانا لے کر آتی تھیں۔ مگر اُن پر ابھی بھروسہ نہیں کیا جاتا تھا۔ اس لئے وہ اکیلی نہ ہوتی تھیں اُن کے ساتھ نیزہ بردار عورتیں بھی ہوتی تھیں۔ جو ان پر کڑی نگاہ رکھتی تھیں۔ دو تین بار جب ان خوفناک عورتوں نے شینا اور راجینا کو ہمت سنگھ اور عولیب سے گھسر پھسر کرتے دیکھا تو انھوں نے قبیلے کی سردار

سے شکایت کر دی۔ اُس دن سے مِشینا اور راجینا کا آنا بھی بند ہو گیا۔

اسی طرح سے قید خانے میں آٹھ دن گزر گئے۔

ایک دن جب چوکیدار عورتیں کھانا لے کر آئیں۔ تو اُنھوں نے دیکھا۔ کہ ہمت سنگھ درد کے مارے دُہرا ہُوا جا رہا ہے۔ اور پیٹ پکڑ کر چلا رہا ہے۔ اور خاک پر لوٹ رہا ہے۔ اس کی بُری حالت دیکھ کر ان عورتوں کے دل میں رحم آیا۔ اُنھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور طے کیا: کہ اسے فوراً یہاں سے اُٹھا کر قبیلے کے حکیم جی کو دکھانا چاہیے۔ جو کہ ایک عورت تھی۔

یہی سوچ کر ان عورتوں نے ہمت سنگھ کی زنجیریں کھول ڈالیں۔ ایک عورت نے اسے اپنے کندھے پر اُٹھا لیا۔ دوسری ہاتھ میں نیزہ تھامے اس کے آگے آگے چلنے لگی۔ ہمت سنگھ درد سے کراہتے ہوئے ایک ڈھیلی ڈھالی لوتھ کی طرح اس عورت کے کندھے پر پڑا ہوا تھا۔

قید خانے کے کمرے سے نکل کر وہ لوگ جب لمبی غار میں گئے تو ہمت سنگھ نے زور سے چلانا شروع کیا "میں مر رہا ہوں۔ میں مر رہا ہوں۔ مجھے یہیں زمین پر لٹا دو۔"

اُنھوں نے گھبرا کر اُسے وہیں غار کے فرش پر ڈال دیا۔ اور خود جھک کر اسے دیکھنے لگیں۔ ہمت سنگھ اپنے پیٹ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے فرش پر لیٹا تھا۔ اور ان کی دونوں ٹانگیں اُوپر اُٹھی ہوئی تھیں۔ اور مارے درد کے اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور وہ زور زور سے کراہ رہا تھا۔

"کہاں درد ہوتا ہے؟" ایک عورت نے پوچھا۔

"یہاں پیٹ میں!" ہمت سنگھ نے روتے روتے کہا

جب وہ دونوں عورتیں پیٹ کو دیکھنے کے لئے اس کے بالکل قریب جھکیں۔ تو ہمت سنگھ نے اپنے جسم کا پورا زور لگا کر اپنی دونوں ٹانگیں ان کے منہ پر کھینچ ماریں۔ حملہ اس قدر شدید اور غیر متوقع تھا۔ کہ دونوں عورتیں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکیں اور چکر کھا کر فرش پر گر پڑیں اور نیزے ان کے ہات سے چھوٹ گئے۔ دوسرے لمحے میں ایک عورت اُٹھی۔ ہمت سنگھ نے اس کے منہ پر اتنے زور کا گھونسا دیا۔ کہ وہ پھر بے ہوش ہو گئی۔

ہمت سنگھ نے جلدی سے اُن کی جیب ٹٹول کر قید خانے کی کُنجی سنبھالی اور پھر دونوں عورتوں کو اپنے کندھے پر اُٹھا کے لوٹ گیا۔ قید خانے

کا دروازہ کھولا - اور چابیوں کا گچھا نکال کر دُوسرے قیدیوں کی زنجیریں کھولیں - اور ان زنجیروں سے ان دونوں بے ہوش عورتوں کو باندھ دیا۔ پھر وہ ان سب قیدیوں کو لے کر باہر لمبی غار میں آیا۔

غار میں بہت اندھیرا تھا۔ یکایک دُور کونے کے دروازہ پر سے مشعلیں جلتی ہوئی نظر آئیں۔ ہمت سنگھ اور ان کے ساتھی غار کے ایک کونے میں دُبک گئے مشعلیں قریب آتی گئیں۔ قریب آتی گئیں۔ ہمت سنگھ دل ہی دل میں دُعا کر رہا تھا۔ کہ وہ چوکیدار عورتیں اِدھر نہ آئیں۔

مگر چوکیدار عورتیں بالکل قریب آگئیں۔ بالکل قریب۔ اتنے قریب کہ اگر وہ ایک دو قدم اور آگے بڑھ آئیں۔ تو کونے میں چھپے ہوئے قیدی ظاہر ہو جاتے۔ اس موقعے پر ہمت سنگھ نے یکایک جُھک کر فرش سے ایک پتھر اُٹھایا اور ہات گھما کر دُور عورتوں کے پیچھے پھینک دیا۔

پتھر کے گرنے کی آواز سُن کر وہ چوکیدار عورتیں چونکیں اور انھوں نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ جہاں پتھر گرا تھا۔

اُن کے مُڑتے ہی ہمت سنگھ نے چھلانگ مار کر ایک نیزہ بردار عورت کا مُنھ دبوچ لیا۔ اور دلیپ سنگھ نے دُوسری کا۔ اور عبدُالرّحمان خان نے تیسری کا۔ اس پھُرتی اور صفائی سے اور خاموشی سے یہ حملہ ہوا تھا۔ کہ چند

لمحوں میں وہ ساری عورتیں ان کے قبضے میں تھیں۔

اُن عورتوں کو بھی۔ وہ لوگ قید خانے کے اندر لے لئے۔ اور زنجیروں سے باندھ کر فوراً واپس ہوئے۔

تہ خانے سے نکل کر واپس لمبی غار سے دوڑتے ہوئے وہ پتھر کی بڑی عمارت کے اندر چلے گئے۔ وہ راجینا اور شینا کی تلاش میں ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں گھسے چلے جا رہے تھے۔

پہلے کمرے میں گھسے تو یکایک آواز آئی۔ "اسے کہاں گھس رہے ہو۔ یہ تو مردانہ ہے۔ مردانہ!" مگر انھوں نے کسی کی پروانہ کی اور دندناتے ہوئے اندر چلے گئے۔ مردانے میں اُن کے آنے سے ہلڑ مچ گیا۔ بہت سے مرد افیم کی پینک میں گرفتار تھے۔ بہت سوں نے گھبرا کر جلدی سے پردہ کر لیا۔ کسی نے چادر اپنے منھ پر ڈال لی۔ کوئی اپنے بچے کو گلے سے لگا کر رونے لگا۔ اور چلا چلا کر آواز دینے لگا۔

"بیوی بچاؤ۔ بیوی بچاؤ۔ ڈاکو گھر میں آ گئے ہیں۔"

"اے مردو دو! اُٹھو" ہمت سنگھ گرج کر بولا۔ "ہم تمہیں آزاد کرانے آئے ہیں۔"

خان گرج کر بولا "اوہو۔ تم کیسا مرد ہے۔ عورت کے مافق روتا ہے۔

اُٹھو ہمارے ساتھ باہر چلو۔"

"تمہارے پاس تھوڑی سی اُفیم ہو گی؟" ایک مرد اپنا گھا گھرا سنبھالتے ہوئے۔ انگڑائیں دکھاتا ہوا خان کے پاس پہنچا۔ اور ناک میں گنگنا کر بولا۔ "اے اللہ میں قربان جاؤں۔ تھوڑی سی افیم دے دو نشہ ٹوٹ رہا ہے۔"

"لعنت ہو تم پر!" خان نے اسے ایک طمانچہ مارا۔ اور وہ مرد واپس طمانچہ کھا کر گر پڑا۔

چاروں طرف شور مچ گیا۔ وہ سب لوگ اُن بزدل آدمیوں کو وہیں چھوڑ کر اس کمرے سے نکل بھاگے۔ وہ ایک دروازے سے گئے۔ تو پہرے دار عورتیں دُوسرے دروازے سے مردانے میں داخل ہوئیں۔ اور سب حال سُن کر قیدیوں کے تعاقب میں بھاگیں۔

شینا اور راجینا کو تلاش کرتے ہوئے وہ لوگ قبیلے کی سردار کے کمرے میں گھس گئے۔ سردار اُس وقت آرام سے لیٹی تھی۔ ایک مرد اس کے پاؤں دبا رہا تھا۔ دُوسرا اُس کے بازو۔ تیسرا اُس کا سر۔ چوتھا پنکھا جھل رہا تھا۔ قیدیوں کو اندر گھستے دیکھ کر خدمت گار مرد سب بھاگ گئے۔ مگر سردار نے بڑی بڑی ہمت سے کام لیا۔ اُس نے بستر کے نیچے سے ایک تلوار نکال لی۔ اور تلوار اُٹھا کر قیدیوں سے لڑنے لگی۔ اور آوازیں دینے لگی ۔۔۔ "دنگا۔

بھُجنگا - ہڑبونگا - مچھر بھُنگا - جلدی آؤ - قیدی آزاد ہو گئے "

سردار کی آواز سنتے ہی - چاروں طرف سے عورتیں تلواریں نیزے تیر کمان لئے ہوئے کمرے میں پل پڑیں - اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ بھُجنگا نے بدلو پہلوان کا پکڑ کر وہ چکریاں دیں - کہ وہ غش کھا کر وہیں گر پڑا - چار عورتیں عبدالرحمان خاں کابلی پر پل پڑیں - اور نیزے مار مار کر اُسے زخمی کر دیا -

آٹنگا اکیلے رامو اور مشتاق سے لڑ رہی تھی - اتنے میں مچھر بھُنگا پیچھے سے لہراتی ہوئی آئی اور اس نے بانس کے ایک موٹے ڈنڈے کو پیچھے سے اس زور سے مشتاق پر مارا کہ وہ وہیں ڈھیر ہوگیا - دوسرا وار اُس نے رامو پر کیا

دلیپ چیختی چلاتی ہوئی دس عورتوں کے نرغے میں تھا۔

کرپال سنگھ ایک لاٹھی گھماتے ہوئے گھوم رہا تھا - ابھی تک وہ کسی عورت کے قبضے میں نہیں آیا تھا - یہی حال کریم خان اور وکٹر کا تھا - مگر اب مرد اگر دس تھے - تو عورتیں دو سو تھیں - چند منٹوں کے بعد شکست یقینی تھی -

یہ حال دیکھ کر اُس بھیڑ سے ہمت سنگھ چپکے سے کھسک گیا - وہاں ایسی

آیا دکھائی تھی۔ کہ کسی کو اس کے نکل جانے کا پتہ نہ چلا۔
چپکے سے وہ دبے پاؤں سردار کے پلنگ کے نیچے گھس کر پیچھے والے کمرے کے اندر چلا گیا۔

اس کمرے میں بہت سا قیمتی سامان رکھا ہوا تھا۔ مگر ہمت سنگھ تو کچھ اور ہی ڈھونڈ رہا تھا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک پردے کے پیچھے اس نے ایک چور دروازہ دیکھا۔ وہ کنڈی کھول کر اس دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔

اس کمرے کے اندر طرح طرح کے ہتھیار پڑے ہوئے تھے۔ تلواریں خنجر۔ بھالے۔ نیزے۔ چابکیں۔ تیر کمان۔ وغیرہ۔

ایک کونے میں ہمت کا جھولا بھی پڑا ہوا تھا۔ جس میں اس کا پستول تھا۔ اور کارتوس تھے۔ ایک کونے میں رائفلیں پڑی ہوئی تھیں۔

اس علاقے میں کوئی بندوق یا رائفل کا استعمال نہیں جانتا تھا۔
اس لئے غالباً ان چیزوں کو بےکار سمجھ کر یہاں رکھ دیا گیا تھا۔

ہمت سنگھ نے پستول والے جھولے کو اپنے کندھے سے لٹکا لیا۔ کارتوسوں والی پیٹی باندھ لی۔ اور پستول اور رائفل بھر کر جس راستے سے اندر آیا تھا۔ اس راستے سے باہر نکل گیا۔

باہر نکل کر اُس نے اندر کے دروازے کی اوٹ سے چھُپ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُسے باہر نکلنے کا کوئی اور راستہ نظر نہ آیا۔ سوائے اس راستہ کے جو سردار کی خواب گاہ میں سے ہو کر نکلتا تھا۔

ہمّت سنگھ دبے پاؤں آگے بڑھا۔ اور دروازے کی اوٹ سے جھانک کر دیکھنے لگا۔

سردار کے کمرے میں اب شور بہت کم ہو گیا تھا۔ سب قیدی گرفتار کر لئے گئے تھے۔ اور آٹنگا اپنے بال پیچھے جھٹکتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

" اِن سب کو دربار ہال میں لے جاؤ۔ میں ابھی آتی ہوں۔ اور اِن کی قسمت کا فیصلہ کرتی ہوں "

مگر شینا اور راجینا کہاں ہیں؟ ہمّت سنگھ خواب گاہ کے دروازے کے پیچھے چھُپ کر سوچنے لگا۔ اِتنے میں اُس نے دیکھا۔ کہ سردار اپنے بال ٹھیک کر کے مور کا تاج پہن کر ایک خنجر ہاتھ میں لے کر آٹھ دس پہریدار عورتوں کو لے کر خواب گاہ سے باہر جا رہی ہے۔

جب کمرہ خالی ہو گیا۔ تب بھی دیر تک ہمّت سنگھ دروازے کے پیچھے کھڑا دیکھتا رہا۔ آخر جب اسے یقین ہو گیا۔ کہ اب کمرے میں کوئی نہیں ہے۔ تو وہ دبے پاؤں نکال کر سردار کے کمرے سے باہر نکل کر دربار ہال کی طرف جانے کے بجائے دوسرے موڑ پر سینا اور راجینا کی تلاش میں غائب ہو گیا ——

(۴)

چوتھا باب

ایک خوفناک کھیل

بانوچی قبیلے کے لوگ یوں ہی نہیں مرے تھے۔ شیروں کا شکار کرتے ہوئے انھوں نے بھی سینکڑوں شیر مار ڈالے تھے۔ شیروں کی وادی میں اور باسوچی قبیلے کی وادی میں ہمیشہ لڑائی رہتی تھی۔ اس کا نتیجہ بالآخر باسوچی قبیلے کے مردوں کے لئے خطرناک اور مہلک ثابت ہوا تھا۔ مگر اس لڑائی میں بہت سے شیر بھی مارے جا چکے تھے۔ کئی زندہ بھی پکڑے گئے تھے۔ ان شیروں میں سے بارہ شیر آج بھی باسوچیا کی حراست میں تھے۔ ان شیروں کو لوہے کے بڑے بڑے پنجروں میں قید رکھا جاتا تھا۔

جمبک کا قلعہ

آج بانسوچی قبیلے کے سردار نے فیصلہ کیا تھا۔ کہ بغاوت کرنے والے مردوں کو ان شیروں سے بھڑوایا جائے گا۔

سردار کے محل کے مغربی برآمدے کے باہر ایک کھلا صحن تھا۔ جس کی دیواریں بہت اونچی تھیں۔ اور جس کے چاروں طرف لوہے کی بڑی بڑی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ اس پنجرے نما صحن کے اندر دو دروازے کھلتے تھے۔ ایک دروازہ شیر گھر کے اندر کھلتا تھا۔ دوسرے دروازے سے قیدی صحن میں دھکیل دیئے جاتے تھے۔ ایک دروازے سے ایک قیدی کو ایک خنجر دے کر صحن میں بھیجا جاتا تھا۔ دوسرے دروازے سے ایک شیر کو کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ پھر شیر اور آدمی کی لڑائی ہوتی تھی۔ کبھی کبھی آدمی شیر کو اپنے خنجر سے زخمی کر دیتا تھا۔ مگر آج تک کوئی باغی شیر کو نہیں مار سکا تھا۔ آخر میں سب شیر کا شکار ہوئے اور اس کا نوالہ بنے۔

ڈھول کی آواز نے سارے قبیلے کو خبردار کر دیا۔ اور بہ عام منادی کے ذریعے سارے قبیلے کو، جو بہت بڑا نہ تھا، محل کے مغربی برآمدوں میں اکٹھا کر لیا گیا۔ جہاں سے وہ شیر اور آدمی کی لڑائی دیکھ سکتے تھے۔

ہمت سنگھ بھی موجود تھا۔ مگر وہ اس بھیڑ میں نہ تھا۔ وہ اس وقت برآمدے کی چھت پر چڑھ کر ہاتھ میں رائیفل لئے بیٹھا تھا۔ وہ نیچے برآمدے

میں جمع ہونے والے قبیلے کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن لوہے کی سلاخوں سے گھرے ہوئے صحن کا سارا میدان اس کی نظر میں تھا۔

ڈھولوں، تنبوروں، باجوں تاشوں کے شور کے درمیان دائیں طرف کا آہنی دروازہ کھولا گیا۔ ایک نیزہ بردار سپاہی عورت نے نیزے کے ٹھوکے سے ایک قیدی کو باہر صحن میں دھکیل دیا۔ اور اس کے قریب زمین پر ایک خنجر پھینک کر دروازہ بند کر دیا۔

قیدی چند لمحے تو خاموش کھڑا رہا، پھر اس نے جھک کر خنجر اُٹھا لیا۔ اور سیدھا تن کر کھڑا ہو گیا۔

یہ دلیپ سنگھ تھا۔ ہمت کا بھائی

پھر دوسری طرف کا دروازہ کھلا اور ایک شیر بہت بڑا، وزنی بھاری اور خوفناک غرّاتا ہوا آہنی سلاخوں والے صحن میں داخل ہوا۔ تھوڑی دیر تک اس نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر اس کی نظر دلیپ سنگھ پر پڑی۔

خنجر دلیپ سنگھ کے ہاتھ میں کانپنے لگا۔ مگر اس نے مضبوطی سے خنجر کو پکڑ لیا، اور شیر کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ کئی لمحوں تک دونوں غور سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ شیر اور قیدی، شکار اور شکاری مگر آج آدمی شکاری نہیں تھا۔ شیر شکاری تھا۔

یکایک شیر کی ایال تن گئی، اُس کے منہ سے دبی ہوئی ایک خوفناک غرّاہٹ نکلی اور وہ سکڑ کر اپنے پچھلے پنجوں کے بل بیٹھنے لگا۔ دلیپ نے سمجھ لیا کہ شیر اب اس پر حملہ کرے گا۔ یکایک ایک خوفناک دھاڑ کے ساتھ شیر اُوپر ہوا میں اُچھلا۔ عین اُسی وقت دلیپ نے خنجر ہوا میں بلند کیا۔ عین اُس وقت ایک زور کا کڑاکا ہُوا اور شیر ہوا میں قلابازی کھاتا ہوا زمین پر آگرا اور گرتے ہی ختم ہو گیا۔

چاروں طرف گہرا سنّاٹا تھا قبیلے کے لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منھ دیکھ رہے تھے۔ یہ کیا ہوا، شیر آدمی سے لڑا نہیں شیر کو آدمی کا خنجر نہیں لگا۔ شیر صرف ہوا میں اُچھلا اور اُچھلتے ہی ایک کڑاکے کی آواز پیدا ہوئی اور شیر زمین پر گر کر مر گیا؛ عجیب حیرت اور اچنبھے کی بات تھی۔

قبیلے کے سردار نے اپنے تخت سے اُٹھ کر کہا۔" دوسرا قیدی لاؤ۔ دُوسرا شیر منگاؤ۔"

دوسرا قیدی عبدالرحمان خان کابلی تھا۔ اس نے خنجر اپنے ہاتھ میں لیا اور دھکیلے جانے کے بجائے خود صحن میں چلا گیا اور خنجر ہوا میں لہرا کر بولا۔

"ہم پٹھان ہے۔ اور پٹھانی زندگی میں صرف ایک بار مرتا ہے۔ وہ روز روز نہیں مرتا ہے۔ آج ہم تم کو بتائے گا پٹھان کیسے مرتا ہے!"

کابلی خنجر تان کر خم ٹھونک کر کھڑا ہوا۔ اتنے میں سامنے کا دروازہ کھلا اور پہلے شیر سے بھی ایک بڑا شیر دہاڑتا ہوا آیا۔ اور کابلی کو دیکھتے ہی جست لگا کر اچھلا۔

پھر وہی کرتا کا ہوا اور وہ شیر بھی زمین پر گرتے ہی چت ہو گیا۔ کابلی خود حیرت میں تھا۔ یہ کیا ماجرا ہے۔

اٹنگا غضبناک ہو کر بولی "ان دونوں قیدی عورتوں کو لاؤ اور شیروں کے آگے ڈال دو۔"

چند لمحے کے بعد شینا اور راجینا آہنی دروازے کے اندر سے باہر صحن میں دھکیل دی گئیں۔

سردار نے چلا کر کہا۔"ان کے ہاتھ میں خنجر مت دو! سنتری عورت خنجر واپس لے گئی۔

اب آہنی سلاخوں سے گھرے ہوئے صحن میں دو عورتیں نہتی کھڑی تھیں۔

پہرے دار سامنے کے دروازے سے تیسرے شیر کو اندر دھکیل

رہے تھے۔ یکایک ہوا میں ایک چیخ سنائی دی اور ہمت سنگھ رائفل لیئے ہوئے برآمدے کی چھت سے کودا اور صحن کے اندر چلا گیا۔ اور دونوں عورتوں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ جونہی شیر دروازے سے اندر صحن میں داخل ہوا ہمت سنگھ نے رائفل تان کر اسے گولی کا نشانہ بنا دیا۔

گولی چھوٹتے ہی پھر وہی کڑاکا ہوا اور شیر گھاس پر تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

ہمت سنگھ نے آہنی سلاخوں کے درمیان رائفل تان کر اس کا رُخ سردار کی جانب پھیر دیا۔ اور کڑی آواز میں بولا "مجھے عورتوں پر حملہ کرنا پسند نہیں ہے۔ لیکن اگر تم نے اسی وقت سب قیدیوں کو آزاد کرنے کا حکم نہیں دیا۔ تو یہی گولی تمہارے سینے کے پار ہو گی۔ میں صرف پانچ تک گنوں گا"

پھر اس نے رائفل کی نشست سیدھی کر کے کہا۔

"ایک

دو

تین

قبیلے کی سردار بولی۔ قیدیوں کو آزاد کر دو۔ شیروں کو بند کر دو"

اور اب وہ سب لوگ باسوچی قبیلے کے گھوڑوں پر سوار ہو کر وادی سے باہر جارہے تھے۔ ستینا، راجینا، ہمت سنگھ، دلیپ سنگھ، مشتاق، بدلو، رامو، کابلی، کرپال، وکٹرا اور کریم خاں۔

چلتے وقت انھوں نے قبیلے کی سردار اشتگا کو اس بات کے لئے بھی مجبور کر دیا تھا کہ اگر کوئی مرد خوشی سے اس قافلے کے ساتھ واپس جانا چاہے تو جا سکتا ہے۔ مگر وہ باسوچی قبیلے کے مرد اس قدر کاہل، نازک اور آرام طلب بن چکے تھے کہ کسی مرد نے بھی واپس جانا منظور نہیں کیا۔ ایک مرد نے جمائی لے کر کہا۔ "نہ بھیا۔ میں تو کہیں نہ جاؤں اکیلے۔ میری عورت اگر میرے ساتھ نہ ہوئی تو میری حفاظت کون کرے گا!"

دوسرا مرد بولا۔ "آزادی! — آزادی کیا چیز ہے۔ ادھر میری عورت مجھے روٹی دیتی ہے۔ رہنے کے لئے گھر دیتی ہے۔ زیور دیتی ہے۔ دیکھ لو میرے پاؤں میں۔ چاندی کے ڈھائی ڈھائی سیر کی جھانجھنیں ہیں۔ وہاں مجھے کون جھانجھنیں بنوا دے گا؟" یہ کہہ کر اس مرد نے بڑی بے

تاری سے منہ پھیر لیا۔ اور افیم کی ایک بڑی گولی نگل لی اور پھر چھم چھم کرتا ہوا واپس مردانے میں چلا گیا۔

"اب مجھے معلوم ہوا۔ دلیپ سنگھ بولا "کہ حالات کیسے انسان کا مزاج اور اُس کی عادت بدل دیتے ہیں!"

چلتے چلتے سہ پہر کے قریب وہ لوگ ایک اُونچی چوٹی پر پہنچ گئے۔ جہاں سے ایک راستہ پہاڑی سلسلوں سے گزرتا ہوا تبت کی سرحد کو جاتا تھا۔ دوسرا نیچے گھاٹیوں سے گزرتا ہوا سردار جمبک کے لال قلعے تک جاتا تھا۔ جو ایک وادی کے عین بیچ میں سب سے اُونچے ٹیلے پر ننگی چٹانوں کے درمیان کھڑا تھا۔

"یہاں سے ہمارا راستہ الگ ہوتا ہے۔" وکٹر بولا۔

"آپ لوگ واپس نہیں جائیں گے؟" ہمت نے حیران ہو کر پوچھا

کابلی بولا۔ "نہیں برادر۔ جس کام کے لئے ہم بمبئی سے آیا ہے۔ اُس کو ضرور پورا کرے گا۔ چاہے راستے میں مر جائے۔"

وکٹر نے کہا۔ "تبت کی سرحد کے کنارے، ہم موتیوں کی جھیل تلاش کرنے جا رہے ہیں۔"

ہمت سنگھ نے ہاتھ بڑھا کر کہا "اچھا تو رخصت!"

کرپال سنگھ نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "پیارے یو۔ تمہارے پاس پانچ رائفلیں ہیں۔ ہمارے کول اِک بھی نہیں۔ دو رائفل تو ہمارے کو دے دو۔ واہ گورو تمہارا بھلا کرے گا۔

ہمت سنگھ نے رامو اور بدلو کی رائفلیں ان کے حوالے کیں اور ایک جھولا کارتوسوں کا بھی دے دیا۔

پھر دونوں قافلے الگ الگ چل پڑے۔ کابلی کا قافلہ موتیوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور ہمت سنگھ کا قافلہ سردار جمباک کے قلعے کی طرف۔۔۔۔

سورج غروب ہو رہا تھا۔ اور دور ایک گھاٹی پر لال قلعہ یاقوت کی طرح چمک رہا تھا۔

ہمت سنگھ نے کہا، "جب ہم سردار جمبک کے قلعے سے خیریت سے نکل جائیں گے۔ تو پھر وہاں سے ترائی کا علاقہ چند دنوں کی مسافت ہے۔ ایک بار ہم اس وادی کے جنگلوں سے نکل گئے تو پھر پولیس کی چوکیاں اور محکمہ جنگلات کے ڈاک بنگلے شروع ہو جائیں گے۔ ہم لوگ واپس تہذیب کی دنیا میں پہنچ جائیں گے!"

جھبک کا قلعہ

"مگر" دلیپ بولا۔ "گار جنگ نے بتایا تھا کہ جھبک کی وادی میں سب سے زیادہ خطرہ ہے!"

"خطرہ کس بات کا ہے؟" ہمت سنگھ نے کہا۔ "گار جنگ نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر ہم اس کا نام بتا دیں گے اور سردار جھبک کے حوالے وہ دو پتھر کر دیں گے جو گار جنگ نے ہمیں دیئے تھے تو وہ ہمیں خیریت سے اور حفاظت سے اپنی وادی کی سرحد تک پہنچا دے گا۔"

"وہ دو پتھر نہیں ہیں! دو ہیرے ہیں۔"

"ہاں میں جانتا ہوں! یہ ہیرے ہیں! دو بڑے بڑے زمرد ہیں!" ہمت سنگھ نے اپنی جیب سے دونوں ہیرے نکال کے دکھائے۔ اس کی ہتھیلی پر گویا دو ہرے رنگ کے شعلے سے دہکنے لگے۔ دلیپ سنگھ کی آنکھوں میں لالچ کی ایک بڑی چمک پیدا ہوئی۔ اس نے اپنے بھائی کی ہتھیلی سے دونوں ہیرے اٹھا لئے اور بولا۔

"ایک ایک ہیرا ایک کروڑ روپے کا ہوگا۔ ہم انہیں سردار جھبک کو کیوں دیں۔ اپنے گھر کیوں نہ لے جائیں؟"

"گار جنگ سے وعدہ کیا تھا۔ یاد ہے" ہمت سنگھ نے پوچھا

"گار جنگ یہاں سے بہت دور ہے۔ اور اب ہم کہاں واپس

جا کر اس سے ملنے والے ہیں!" دلیپ نے جواب دیا۔

"اور اگر جمبک نے ہمیں ہیرے نہ پا کر قید کر لیا" ہمت سنگھ نے پوچھا۔

"اور اگر ہیرے پا کر بھی اس نے ہمیں قید کر لیا تو؟" دلیپ نے پوچھا

"ہم نہتے نہیں ہیں مالک ہمارے پاس تین رائفلیں ہیں۔

راموبولا۔ دو کروڑ روپے کے ہیرے یونہی دے دینا سردار جمباک کو، اچھا نہیں لگتا ہے۔"

"ان دو کروڑ روپوں میں سے ایک لاکھ میں بدلو کو دوں گا۔ ایک لاکھ مشتاق کو، ایک لاکھ راموکو۔ کیوں کیسی۔ بولو۔ ہیرے اپنے پاس رکھیں؟" دلیپ نے ان تینوں سے پوچھا۔ تینوں اک دم بول اُٹھے۔

"ہاں مالک۔ انہیں سردار جمباک کو مت دو۔ ہم اپنی جان دیدیں گے۔ مگر ان ہیروں کی حفاظت ضرور کریں گے۔ پھر ساری زندگی چین سے گزاریں گے۔"

دلیپ نے اپنے بھائی کی طرف دیکھ کر ہیرے اپنی جیب میں ڈال لئے۔ ہمت سنگھ نے فوراً اپنی رائفل اپنے بھائی کے سینے پر رکھ دی اور للکار کر بولا "ہیرے فوراً واپس کر دو، ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

دلیپ نے خفا ہو کر کہا۔ "کیا اچھا نہیں ہوگا۔"

"میں نے لگار جنگ سے جو وعدہ کیا ہے اُسے ضرور پورا کروں گا"
ہمّت سنگھ نے دانت پیس کر کہا۔ "ہیرے نکالو"
دیر تک دلیپ سنگھ نے اپنے بھائی کی طرف دیکھا۔ ہمّت سنگھ نے سر جھکا کے اپنی جیب سے ہیرے نکال کے اُسے دے دیئے۔
ہمّت سنگھ نے دونوں ہیرے اپنی اندر کی جیب میں ڈال لئے۔
اور نیچے وادی کی طرف گھوڑا دوڑاتے ہوئے بولا
"میرے پیچھے پیچھے آؤ"

(۵)

پانچواں باب

سردار جمبک

شام کی اُداسی اُداسی روشنی میں وہ لوگ پہاڑ کے قدموں میں ایک پُرانے بُودھ مندر میں پہنچ گئے۔ جس کے چھجے سے ایک گھنٹہ لٹک رہا تھا۔ اور ایک پجاری گھنٹے کے قریب کھڑا ہوکر زیر لب کچھ کچھ منتر پڑھ رہا تھا۔

اس پجاری کا سر گھٹا ہوا تھا۔ اور وہ ایک پھٹا پُرانا اُونی چوغہ پہنے ہوئے تھا۔ اور وہ بہت لمبا اور مضبوط دکھائی دیتا تھا۔ اس کی بھنویں گھنی تھیں اور آنکھیں گہری سیاہ۔

مندر کی سیڑھیاں نیچے تک چلی گئی تھیں۔ اور مڑ کر کاٹ کر ایک ایسے راستے سے جا ملتی تھیں جو قلعے کو جاتا تھا۔ مندر کے قدموں سے ٹیلے کی چڑھائی شروع ہو گئی تھی۔ یہ ایک گول مخروطی ٹیلہ تھا جس کی بھورے رنگ کی مٹی سے لال لال رنگ کی چٹانیں اُبھری ہوئی تھیں۔ ان چٹانوں میں چکر کھاتا ہوا لمبے لمبے پتھروں سے ڈھکا ہوا ایک تنگ سا راستہ زینے کی طرح ٹیلے کے گرد چکر کاٹتا ہوا چٹانوں میں سے گزرتا ہوا اوپر کو قلعے کو جاتا تھا جو ٹیلے کی چوٹی پر واقع تھا۔

"دیکھ لیا!" ہمت سنگھ نے دلیپ سے کہا "یہ قلعہ کتنی عمدہ جگہ واقع ہے جنگل سے آنے والا اس مندر تک ضرور پہنچے گا۔ یہاں سے قلعہ کو جانے کے لئے ایک ہی راستہ ہے۔ باقی سب طرف کھائی ہے۔ جنگل سے آنے والے کو بہرصورت قلعے کے دروازوں سے ہو کر دوسری طرف وادی میں جانا پڑے گا، اور اُدھر دوسری طرف وادی سے اِدھر آنے والے کو بھی قلعے میں سے ہو کر گزرنا پڑے گا۔ دوسرا کوئی راستہ ہی نہیں ہے!"

پجاری آہستہ سے اس قافلے کی جانب مڑا۔ اور بولا۔

"آپ کدھر سے آئے ہیں!"

جمبکا کا قلعہ

"سرحد پر سے!" دلیپ بولا۔

"کونسی سرحد پر سے؟" پجاری نے شبہے کی نظریں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

چند لمحوں تک وہ لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہے۔ آخر شیلا نے کہا، "ہم جنگل کے راجہ کے ملک سے آئے ہیں!"

"اوہ!" پجاری چونکا۔

پھر کچھ کہے بغیر وہ گھوم گیا۔ اور قلعے کی طرف پیٹھ کر کے گھنٹہ بجانے لگا۔

گھنٹہ کی گہری ٹن ٹن کی آواز قلعہ کی دیواروں سے ٹکرا کر گونجنے لگی۔ ٹن۔ ٹن ٹن ٹن ٹن ٹن ٹن ٹن۔

گھنٹہ کبھی ہولے بجتا۔ کبھی تیز، کبھی مدھم۔ کبھی اونچا۔ کبھی ایک ساتھ بہت سے سر اس میں بجتے معلوم ہوتے۔ کبھی صرف ایک ٹن کی آواز آتی۔

پھر گھنٹہ خاموش ہو گیا۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ہمت سنگھ اور اس کے ساتھیوں

نے تو نیچے آ کر قلعے کی ایک اُونچی جو بُرجی کے اندر سے کسی دوسرے گھنٹے کی صدا سنائی دینے لگی۔

ٹن ٹن، ٹن ٹن ٹن ٹن ٹن ٹن۔۔۔۔

قلعے کا گھنٹہ بج رہا تھا۔

ہمت سنگھ نے آہستہ سے دلیپ سے کہا، "دیکھا تم نے یہ کوئی سگنل ہے شاید! مندر کے پجاری نے غالباً گھنٹہ بجا کر ہماری آمد کی اطلاع قلعے میں دی ہے، اور اب اُدھر سے جواب آ رہا ہے!"

چند منٹ کے بعد قلعے کا بجتا ہوا گھنٹہ بھی خاموش ہو گیا۔

ہولے ہولے پجاری قافلے کی طرف مڑے بغیر کھنچے سے باہر نکل کر لکڑی کی ایک بھاری محراب کے نیچے چلا گیا۔ اس محراب کے دونوں دروازے بند تھے۔ پجاری اپنی کمر سے لٹکتے ہوئے چابیوں کے گچھے کی مدد سے بند محراب کے دروازے پر پڑا ہوا بھاری تالا کھولنے لگا۔

جہاں پر بدلو کھڑا تھا وہاں چھجے کے نیچے ایک طاقچے میں سونے کا ایک جگمگ جگمگ کرتا ہوا دیا جل رہا تھا۔ بدلو نے چپکے سے ہاتھ بڑھا کر سب کی نظر بچا کر سونے کے دیئے کو بجھا کر اُسے اپنی

جیب میں ڈال لیا۔ پجاری کی پیٹھ اس کی طرف تھی۔ اور وہ سب سے آخر میں چل رہا تھا۔

بھاری تالا کھول کر پجاری نے محراب کے بھاری کواڑ کھول دیئے۔ اور خود ایک طرف کھڑا ہو کر کہنے لگا۔

"گھوڑوں سے اتر جاؤ۔ اور باگیں ہاتھ میں سنبھال کر اس راستہ سے نیچے چلے جاؤ۔ نیچے جاکر دوسرا موڑ آئے گا، وہاں سے ٹیلے کی چڑھائی شروع ہو گی۔ مگر راستہ بہت کٹھن ہے۔ دیکھ کر جانا۔"

وہ لوگ گھوڑوں کی باگیں تھامے باری باری محراب کے نیچے سے گزرنے لگے، پہلے دلیپ، پھر شینا پھر راجینا، پھر ہمت سنگھ۔ پھر رامو پھر مشتاق پھر بدلو۔

وہ لوگ گزرتے جا رہے تھے اور پجاری سر جھکائے مؤدب کھڑا تھا۔ جب بدلو گزرنے لگا، تو پجاری نے اُسے ہاتھ سے روک کر کہا، "وہ سونے کا دیا دیتے جاؤ۔"

"کون سا سونے کا دیا؟" بدلو پجاری سے کڑک کر بولا۔

"کیا میں چور ہوں؟" یہ کہہ کر بدلو نے غصے میں آکر پجاری پر ہاتھ اٹھایا۔

دوسرے ہی لمحے بجلی کی سی تیزی سے پجاری نے پلٹ کر اتنے زور کا گھونسہ پہلوان کے جبڑے پر دیا۔ کہ بدلو چکراتا ہوا زینے کی سیڑھیوں پر گر گیا اور اس کی ناک سے خون بہنے لگا۔ وہ شاید سیڑھیوں سے پھسل کر نیچے کھائی میں گر جاتا۔ مگر پجاری نے لپک کر اُسے گھسیٹ لیا اور اس کی جیب سے سونے کا دیا نکال کر بولا۔ "اب تم جا سکتے ہو!"

بدلو اپنی ناک سے لہو پونچھتے ہوئے بولا۔ "باپ رے! میں نے سمجھا یہ پجاری ہے۔ یہ تو پہلوان کا بھی باپ نکلا۔"

مشتاق نے غصے سے کہا، "تمھارے ساتھ جو ہوا ٹھیک ہوا۔"

"مگر مجھے اُس نے دیا اُٹھاتے ہوئے دیکھا کیسے؟" بدلو نے حیران ہو کر پوچھا "کیا اس کی پیٹھ پر بھی آنکھیں ہیں؟"

"مجھے کیا معلوم!" مشتاق نے جواب دیا "میں تو اتنا جانتا ہوں کہ تمھیں کیے کی سزا مل گئی۔"

"کم بخت نے کیا گھونسہ مارا ہے؟" بدلو پہلوان اپنا جبڑا سہلاتے ہوئے بولا، "اس کو پجاری کون بولتا ہے۔ یہ تو ڈاکو ہے ڈاکو۔۔۔۔"

"چلو چلو۔ زیادہ باتیں نہ کرو۔ آگے بڑھو۔" ہمت سنگھ نے بے زار ہو کے کہا۔

"ابھی اس ٹیلے کی چڑھائی چڑھنا باقی ہے۔ چڑھتے چڑھتے رات ہوجائے گی۔ جب جاکے کہیں قلعے تک پہنچ سکیں گے!"

"میری ناک سوج رہی ہے!" بدلو نے اپنی ناک کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

رات گہری ہوچکی تھی۔ جب وہ تھکن سے چُور اُوپر پہنچے ٹیلے کی چڑھائی چڑھ کر لال قلعے کے دروازے پر پہنچے۔ یہاں پر آٹھ دیو ہیکل سنتری ہاتھ میں بندوقیں لئے ان کے استقبال کے لئے موجود تھے۔

ان سنتریوں کے پیچھے بارہ چوکیدار مشعلیں جلائے کھڑے تھے۔

چوکیدار نے آگے بڑھ کر گھوڑے تھامے اور انہیں دوسرے آدمیوں کے حوالے کیا۔ پھر مشعلیں لئے ہوئے چوکیدار قلعے کے اندر چلے۔ اور سنتریوں کے ساتھ قافلہ قلعے کے اندر آگے بڑھنے لگا۔

بڑے بڑے دالانوں، برآمدوں، صحنوں اور کمروں میں سے گزر کر یہ لوگ ایک بہت بڑے کمرے میں پہنچے۔ جس میں بڑے بڑے جھاڑ فانوس لٹک رہے تھے۔ بیچ میں کالے رنگ کے ساگوان کی ایک بہت بڑی میز تھی اور میز پر عمدہ کھانا سجا ہوا تھا۔ اور کرسیوں پر پانچ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ آدمی ان لوگوں کو دیکھتے ہی اُٹھ کھڑے

ہوئے۔ یہ پانچوں آدمی بے حد لمبے چوڑے وجیہہ اور گٹھیلے تھے۔ ان میں سے کسی کا قد ساڑھے چھ فٹ سے کم نہیں تھا۔ اب تک قلعے کے اندر ہمت سنگھ نے کسی آدمی کا قد چھ فٹ سے کم نہیں دیکھا تھا۔

ایک آدمی شیر کی کھال کا چوغہ پہنے سونے کی پیٹی کمر پہ باندھے میز کے آخری سرے پر اکیلا بیٹھا تھا، اس کا گول گول بھاری چہرہ ہنستا اور مسکراتا ہوا سا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے خالی کرسیوں کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"آؤ آؤ۔ مسافرو۔ کھانے میں شریک ہو جاؤ۔"

وہ سب لوگ بھوکے تو تھے ہی۔ کرسیوں پر بیٹھ کر فوراً کھانا کھانے لگے۔ بہت عرصے کے بعد انہیں اتنا اچھا اور لذیذ کھانا دستیاب ہوا تھا۔ اس لئے سب نے پیٹ بھر کے کھایا۔ کھانا کھاتے ہوئے گول مٹول بھاری چہرے والے آدمی نے جس کے چہرے پہ بڑی بڑی گھنی مونچھیں تھیں۔ مسکرا کر کہا

"میں سردار جمبک ہوں۔ اس قلعے کا مالک۔ اور یہ میرے چاروں بھائی ہیں، یہ کمباک ہے، یہ ہمبک ہے، یہ گمبک ہے اور یہ ڈمبک ہے!"

جواب میں ہمت سنگھ نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کے نام بتائے۔
ور بس۔ پھر کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔

"ہُوں !" شینا لذت سے چٹخارے لیتے ہوئے بولی " یہ تو بے حد۔
بے حد لذیذ کھانا ہے !۔ ہمارے جنگل میں تو ایسا کھانا نہیں ملتا"

ہمّت سنگھ نے کہا۔ "ہاں جنگل سے تہذیب تک، اور چاول کے
انے سے پلاؤ تک پہنچنے میں انسان کو ہزاروں سال لگے ہیں۔ جب
ا کے کہیں یہ لذت پیدا ہوئی ہے !"

سردار جمبک نے چونک کر شینا کی طرف دیکھا۔ پھر نگاہیں نیچی کر کے
ھانا کھانے لگا

جب سب کھانا کھا کے فارغ ہو چکے۔ تو سردار جمبک انھیں دوسرے
رے میں لے گیا۔ اس کمرے کی دیواریں ریشمی پردوں سے ڈھکی تھیں۔
ر فرش پر قیمتی غالیچے بچھے تھے۔ اور عمدہ گاؤ تکیے لگے تھے۔

سردار جمبک بیچ والے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا۔ اس کے
یں بائیں اس کے چاروں بھائی لمبک، ہمبک، گمبک اور ڈمبک
ڈ گئے۔ اس کے سامنے کے گاؤ تکیوں پر اس نے اپنے مہمانوں کو بیٹھنے
لئے کہا، جب سب بیٹھ چکے۔ تو ایک غلام سونے کا بنا ہوا حقہ لے

کر آیا۔ اور سردار جمبک کے سامنے رکھ کر چلا گیا۔

جمبک کتنے حقے کی نئے باری باری اپنے مہمانوں کو پیش کی۔ جب اُنھوں نے انکار کر دیا تو خود حقہ گڑگڑانے لگا۔

" کہاں سے آئے ہو مسافرو!" سردار جمباب نے پوچھا

" جنگل کے راجہ گارجنگ کے علاقے سے آئے ہیں۔"

" کہاں جاؤ گے ؟"

" ترائی کے علاقے میں!"

" اس بات کا کیا ثبوت ہے۔" جمباب بولا " کہ گارجنگ نے تمہیں میری طرف روانہ کیا ہے۔"

ہمّت سنگھ نے جیب سے دونوں ہیرے نکال کے پیش کئے۔

سردار جمبک کی آنکھیں اُن ہیروں کو دیکھ کر چمک اُٹھیں۔ اُنھیں اُلٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد بے حد خوش ہو کر بولا " بہت عمدہ جوڑی ہے! اتنے بڑے اور عمدہ زمرّدوں کی جوڑی تو میرے پاس بھی نہیں ہے۔ میں انھیں بڑی حفاظت سے رکھوں گا۔ اور سالگرہ کے روز پہنوں گا۔"

اتنا کہہ کر جمباب نے دونوں ہیرے اُٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لئے

اور حقہ گڑگڑاتے ہوئے بولا۔
"گارجنگ بہت بہادر ہے۔ بہت بہادر ہے۔۔۔ ایک بار شیروں کی وادی میں اس نے میری جان بچائی تھی۔ تم گارجنگ کے ہاں سے آئے ہو اس لئے تمہاری جان بچانا میرا فرض ہے۔ ورنہ آج تک کوئی مسافر اس وادی سے کیا اس قلعہ کی دیواروں کے باہر اپنی جان سلامت لے کر نہیں گیا ہے!"
"کیوں!" ہمت سنگھ نے پوچھا۔
"یہ جگہ باہر والوں کو معلوم نہیں ہے۔ اکّا دکّا جو بھی باہر والے آتے ہیں موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے باہر سے کوئی یہاں آتا نہیں ہے۔ اور یہاں سے کوئی باہر جاتا نہیں ہے۔ اگر باہر والے یہاں آئیں گے تو آتے ہی جائیں گے۔ آتے ہی جائیں گے اور ایک دن میری وادی اور میرے قلعے پر قبضہ کر لیں گے۔ اس لئے ان کی جان لینا ضروری ہے!" جمبک ہنس کر بولا "اپنے بچاؤ کی خاطر ان کو مار ڈالنا ضروری ہے!" جمباک نے زور کا قہقہہ لگایا۔ اور ہمت سنگھ کو اس کا قہقہہ بہت ہی بے موقع نامناسب اور ناگوار معلوم ہوا۔ مگر وہ چپ رہا۔

جمبک کا بھائی لمبک راجینا کو گھورے جا رہا تھا۔ یکایک جمبک نے لہجہ بدل کر سنجیدگی سے کہا، "اگر تم لوگ گارجنگ کے آدمی ہو، اور گارجنگ نے میری جان بچائی ہے۔ لہٰذا میرے لئے اس قرضے اس احسان کو اُتار دینا ضروری ہے۔ میں کل تم لوگوں کو زندہ اور صحیح وسلامت خود اپنے سامنے اس قلعے کے دوسرے دروازے سے سے نیچے کی وادی تک پہنچا کے آؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ اب اطمینان سے سو جاؤ۔

پھر جمبک نے اپنے ایک بھائی کی طرف مڑ کر کہا۔

"ڈھمبک! انہیں ان کے سونے کے کمروں میں لے جاؤ! — یہ تھکے ہوں گے اور صبح انھیں سفر بھی کرنا ہے۔"

(۶)

چھٹا باب

پھر مصیبت ؟

دوسرے دن سردار جمبک نے اپنے مہمانوں کو بہت عمدہ ناشتہ کھلایا۔ اور ناشتے کے بعد انھیں قلعے کی سیر کرائی۔

جمبک کا قلعہ بہت پرانا اور مضبوط تھا۔ جس اونچے ٹیلے پر یہ واقع تھا اس کے تینوں طرف ایک گہری کھائی تھی۔ جو اس قدر چوڑی تھی کہ کوئی آدمی یا جانور اس پر چھلانگ لگا کے بھی اسے عبور نہ کر سکتا تھا۔ اس وادی کی سب سے اونچی چوبرجی پر سے ساری وادی کا نظارہ دکھائی دیتا تھا۔ جنگل اور پہاڑ اور گھاٹیاں اور زمین میں گذرتے ہوئے تھ

اس بلندی سے صاف دکھائی دیتے تھے۔

"قلعہ بہت اچھی جگہ واقع ہے۔" دلیپ نے کہا

"میرا سارا علاقہ یہاں سے دکھائی دیتا ہے۔" سردار جمبک بولا۔

"اس چو بُرجی سے میں ہر مسافر کو دیکھ سکتا ہوں۔ اور ہر حملہ آور کی خبر رکھ سکتا ہوں۔

"بے شک، بے شک۔" دلیپ نے جواب دیا۔

اور قلعے کی کھائی اتنی گہری اور چوڑی ہے۔ کہ چیتا بھی چھلانگ لگا کے اس پار نہیں آ سکتا۔ آدمی کی تو مجال کیا ہے۔

پھر سردار جمبک نے اپنے قلعے کا قید خانہ دکھایا۔ اس قید خانہ میں خاص بات یہ تھی کہ اس میں کوئی قیدی نہ تھا۔

"میں قید کرنے میں یقین نہیں رکھتا۔ بس جان سے مار ڈالتا ہوں" سردار جمبک نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"حضور! پھر اس قید خانے کا فائدہ کیا ہے؟" مشتاق نے پوچھا

سردار جمبک بولا۔ "اس قید خانے میں قیدیوں کو صرف چند روز کے لئے رکھا جاتا ہے۔ کبھی صرف چند گھنٹوں کے لئے، اس کے بعد انھیں ستونوں سے باندھ کر گولی مار دی جاتی ہے۔ وہ دیکھو"

جمبک کا قلعہ

یکایک ایک شیر کے دہاڑنے کی آواز آئی۔ وہ سب لوگ چونک گئے۔ اس پر سردار جمبک نے زور کا ایک قہقہہ لگایا۔ بولا

"میرے قید خانے سے نکل کر کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ اس قید خانے کے دائیں بائیں دونوں طرف جو کمرے ہیں۔ ان میں میں نے شیر رکھ چھوڑے ہیں۔ اس قید خانے کا فرش لوہے کا ہے۔ اور دروازہ کوئی نہیں ہے۔ بس یہ لوہے کی سلاخوں والی تین کھڑکیاں ہیں۔ جن سے قیدی باہر کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ اور باہر کا نظارہ بھی کیا ہے۔ وہ لکڑی کے ستون ہیں جن سے قیدیوں کو باندھ کر گولی ماری جاتی ہے اور وہ دو پھانسی کے تختے ہیں۔ جن پر رسّی سے باندھ کر قیدیوں کو پھانسی دی جاتی ہے" سردار جمبک نے اشارہ کرتے ہوئے کہا، "میرے علاقے میں ہر جرم کی سزا موت ہے!۔ چوری، ڈاکہ، دھوکہ بازی، بے ایمانی۔ جھوٹ۔ سب کی سزا موت ہے! اسی لئے میرے علاقے میں بہت کم جرم ہوتے ہیں!۔ ہا ہا ہا" سردار جمبک زور سے ہنسا۔ ہمت سنگھ کو اس کی ہنسی بہت بری معلوم ہوئی۔ مگر وہ چپ رہا۔ پھر توقف کے بعد بولا۔ "میرے خیال میں اب چلنا چاہیئے۔ سورج نکل رہا ہے اور ہمیں ابھی بہت دور جانا ہے"

"ٹھیک ہے" سردار جمبک بولا، "ابھی آپ کو بہت دور ...

چلیئے نیچے چلیں،"

وہ انہیں چو برجی سے نیچے لے آیا۔ اور قلعے کے دوسرے دروازے تک انھیں خود رخصت کرنے کے لئے آیا، اس نے ان کے ساتھ ایک روز کا کھانا بھجوا دیا۔ اور بہت سا سامان خورد و نوش بندھوا دیا، اور ان کے سفر کے لئے اپنے اصطبل سے نئے گھوڑے نکلوا کے دیئے۔

سردار جمباک کا شکریہ ادا کر کے ہمت سنگھ اور اس کے ساتھی وہاں سے رخصت ہوئے۔ قلعے کے دروازے سے نیچے کی سیڑھیاں اتر کر ٹیلے کی اترائی پر چلنے لگے۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ کھائی پر پہنچ گئے۔ جہاں پر لکڑی کا ایک پل تھا۔ جو مسافروں کو گزار دینے کے بعد پھر کھینچ لیا جاتا تھا

سردار جمباک کے سپاہیوں نے اس پل پر سے قافلے کو گزار دیا۔ اور پھر پل کھائی پر سے کھینچ لیا۔ اب قافلہ واپس قلعے میں کسی طرح نہیں آ سکتا تھا۔

آگے ایک اونچی گھاٹی تھی جس پر اسی طرح کا ایک چھجے والا مندر بنا ہوا تھا، جس طرح دوسری گھاٹی پر جہاں سے وہ آئے تھے۔

وہ اپنے گھوڑوں پر چڑھے ہوئے مندر کے قریب سے گزر گئے۔

اور نیچے گھنے جنگلوں سے گھری ہوئی وادی میں اُترنے لگے۔ اُنھیں
جاتے دیکھ کر مندر کا پجاری گھنٹہ بجانے لگا۔
"یہ ہمارے جانے کا سگنل ہے!" ہمّت سنگھ نے کہا
مندر کے گھنٹے کی آواز کے بعد قلعے کی چو بُرجی کے گھنٹے کی صدا دور
سے آنے لگی۔
اب وہ لوگ اُترائی اُتر کر ایک سپاٹ علاقے میں سے گزرتے
جا رہے تھے۔ اور اُن کے گھوڑے تیز تیز قدموں سے چل رہے تھے۔
اور وہ لوگ ہر لحظہ قلعے کی دیواروں سے دُور ہوتے جا رہے تھے۔
راجینا بولی۔ "مجھے تو اس قلعے کی دیواروں سے وحشت محسوس
ہو رہی تھی۔"
ہمّت سنگھ نے کہا، "سردار جمبک یوں تو بدھ دھرم کا پیرو معلوم
ہوتا ہے، مگر کیسی ظالم طبیعت پائی ہے اُس نے!"
مشتاق بولا۔ "شکر ہے اللہ کا۔ ہم ایسے موذی کے چنگل سے
صاف بچ کے نکل آئے۔ اس کی مہمانداری مجھے ذرا اچھی نہیں لگی، جی
نہیں چاہتا تھا کہ کون سا موقع ملے تو یہاں سے نکل کے بھاگوں۔"
دلیپ بھی قلعہ سے آنے پر بہت خوش تھا۔ وہ دیر تک خوشی سے

جمبک کا قلعہ

گنگناتا رہا۔ پھر راجینا سے مخاطب ہو کر بولا۔ "راستہ صاف اور سیدھا ہے اور گھوڑے بھی تازہ دم ہیں۔ آؤ۔ ایک دوڑ ہو جائے۔"

"ہو جائے۔" راجینا نے اپنے گھوڑے کو ایڑی لگائی۔

اور قافلہ گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا۔

دوپہر کے وقت اُنھوں نے ایک چشمے کے کنارے ایک خوبصورت کنج میں قیام کیا۔ اور سردار جمبک کا دیا ہوا کھانا ناشتہ دان سے نکال کے کھایا۔ یہ کھانا بھی بے حد عمدہ اور لذیذ تھا۔ اسے کھاتے کھاتے یکایک دلیپ قہقہہ مار کے ہنس پڑا۔

"کیا بات ہے؟" راجینا نے پوچھا

"یہ سردار جمبک بڑا چالاک اور ظالم بنتا ہے۔ مگر بڑا بے وقوف ہے۔"

"بے وقوف ہے؟" راجینا نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں! احمق ہے!" دلیپ بولا

"اس کا ثبوت؟" مشتاق شکاری نے پوچھا۔

"اس کا ثبوت یہ ہے!" دلیپ نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا، "یہ دیکھو۔"

اس کی ہتھیلی پر وہ دونوں زمرد چمک رہے تھے، جو ہمت سنگھ نے سردار جمبک کو پیش کیے تھے۔

کئی لمحوں تک وہ لوگ ہکا بکا ہو کر دلیپ سنگھ کی کھلی ہوئی ہتھیلی پر چمکتے ہوئے زمردوں کو دیکھتے رہے۔

"یہ تمہارے پاس کیسے آ گئے؟" ہمت سنگھ نے پوچھا۔

"ہمارے ہی تو تھے، ہمارے پاس آ گئے۔"

"مگر کیسے؟" ہمت سنگھ نے ذرا سختی سے پوچھا۔

"میں نے اس کی جیب سے نکال لیے تھے۔" دلیپ سنگھ بولا۔

"جب سردار جمبک کھانے کے کمرے سے حقہ پینے کے کمرے میں ہمیں لے جا رہا تھا۔ اسی وقت میں نے اس کی جیب سے نکال لیے تھے۔ اُسے پتہ بھی نہیں چلا۔"

دلیپ سنگھ قہقہہ مار کے ہنسا۔ "احمق!"

"تم نے بُرا کیا۔" راجینا خفا ہو کے بولی

"تم نے بہت اچھا کیا،" دلیپ سنگھ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔
"ہم زندگی بھر اپنے فارم پر محنت کر کے اتنا نہیں کما سکتے۔ جتنا ان دو ہیروں کو فروخت کر کے کما سکتے ہیں، کم سے کم دو کروڑ روپے ملیں گے!"
"ایک لاکھ میں لوں گا!" مشتاق بولا۔
"ایک لاکھ میں لوں گا،" رامو بولا۔
"اور ایک لاکھ ہم لیں گے!" بدلو پہلوان خوشی سے ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔
"تم نے بالکل اچھا نہیں کیا۔ ہمت سنگھ غصے سے بولا!" اس میں فخر کی کونسی بات ہے، تم نے ایک معمولی جیب کترے کا سا کام کیا ہے۔ پھر یہ مت بھولو کہ تم ابھی سردار جمبک کے علاقے میں ہو، اگر اسے پتہ چل گیا۔ اور اب تک اسے ضرور پتہ چل گیا ہوگا، تو وہ ضرور ہمارا پیچھا کرے گا!"
"اجی بھائی صاحب! اب وہ کیا ہمارا پیچھا کرے گا۔ ہم لوگ قلعہ کو کم سے کم بیس میل پیچھے چھوڑ آئے ہیں، اگر ہم آج دن بھر کہیں آرام نہ کریں۔ اور رات بھر چلتے رہیں، تو صبح تک بڑی آسانی سے اس وادی کے علاقے کو پار کر سکتے ہیں، جس تیزی سے ہم سفر کر رہے ہیں، اس سے سردار جمبک تو کیا اس کے فرشتے بھی ہمیں نہیں پکڑ سکتے۔"

دلیپ سنگھ ابھی اتنا ہی کہہ پایا تھا، کہ کُنج کی گھنی شاخوں میں اُدپر سرسراہٹ سی پیدا ہوئی اور دوسرے لمحے میں بہت سے آدمی دھم دھم کرکے زمین پر آکودے۔ اور قافلے والوں کے سر پر آکھڑے ہوئے۔

دلیپ سنگھ نے سر اُٹھا کے دیکھا، تو اس کے سامنے سردار جمباک بندوق لئے کھڑا تھا اور ہنس رہا تھا

"اچھا تو میں احمق ہوں، بے وقوف ہوں، گدھا ہوں، مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ حالانکہ مجھے رات ہی کو معلوم ہو گیا تھا۔ مگر میں یہ دیکھنا چاہتا تھا۔ کہ تم میں شاید اتنی غیرت ہو، کہ خود ہی صبح یہ ہیرے مجھے واپس کردو۔"

ہمت سنگھ نے جلدی سے وہ دونوں ہیرے دلیپ سنگھ کے ہاتھ سے چھین کر سردار جمباک کو دیتے ہوئے کہا "گدھا تو یہ ہے سردار جمباک۔ جس نے ایسی حرکت کی۔ مگر بچہ ہے۔ اسے معاف کردو۔ ہمیں اپنے سفر پہ جانے دو۔"

"سفر پہ تو آپ ضرور جائیں گے۔ مگر موت کے سفر پر!"

سردار جمباک قہقہہ لگا کر بڑی بے رحمی سے بولا "میری وادی سے آج تک کوئی آدمی جرم کی سزا پائے بغیر نہیں رہا ہے۔ اور میری وادی میں ہر جرم کی سزا موت ہے! تم جانتے ہو۔"

جمبک کا قلعہ

"ہم تمھاری وادی کے رہنے والے نہیں ہیں" دلیپ نے غصے سے بھڑک کر سردار جمبک کے منہ پر گھونسہ مارا۔ سردار جمبک گھونسہ کھا کر پرے ہٹ گیا، اس کے منہ سے خون نکل آیا۔ مگر اس نے جواب میں دلیپ کے گھونسہ نہیں مارا۔ وہ خون پونچھ کر ہنستا ہوا بولا۔

"اس ایک گھونسے کے لئے نہ صرف تم جان سے جاؤ گے۔ بلکہ تمہارے ساتھی بھی" پھر اس نے کڑک کر اپنے سپاہیوں سے کہا، "ان سب کی مشکیں باندھ لو۔ اور انھیں واپس قلعے میں لے چلو"

اب وہ واپس جا رہے تھے۔ ان کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں، اور وہ لوگ گھوڑوں پر بوروں کی طرح بندھے واپس جا رہے تھے۔

شینا اور راجینا کے بھی ہاتھ پاؤں انھوں نے باندھ دیئے تھے۔ لیکن منہ نہیں باندھا تھا۔ وہ آنکھ اور کان کھولے اچھی طرح سے چوکنی ہو کر چاروں طرف دیکھتی بھالتی جا رہی تھیں لیکن بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

دور اوپر کھلے آسمان میں ایک باز پرواز کر رہا تھا، راجینا

نے اُس کی طرف دیکھ کر گانا شروع کیا۔

ترنگنی ترنگنی تر ُجا چمک جا جُو گا گا

ترنگنی ! ترنگنی !

راجینا کے گھوڑے کے ساتھ چلنے والا سپاہی بولا! "کیا ہے ؟"

" کچھ نہیں گا رہی ہوں، کیا گانا منع ہے ؟"

سپاہی چپ ہو گیا۔ راجینا نے پھر گانا شروع کر دیا۔

" ترنگنی ترنگنی تر ُجا چمک جا جُو گا گا

ترنگنی ترنگنی !"

جانوروں کی زبان میں ترنگنی باز کو کہتے ہیں۔ راجینا گیت گاتے ہوئے اُوپر اُڑتے ہوئے باز کو بلا رہی تھی، اور اُسے اپنی بپتا سُنا رہی تھی۔ پتہ نہیں باز نے وہ گیت سُنا کہ نہیں سُنا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد باز ہوا میں چکر لگاتے ہوئے نیچے اُترا، اور راجینا کے سر کے اُوپر تین چکر لگا کر شمال کی جانب غائب ہو گیا۔

(۷)

ساتواں باب

گارجنگ میدان میں

بنگولی بھالو بیمار تھا۔ اور دھوپ میں لیٹا ہوا تھا۔ گارجنگ بھالو کو دیکھنے آیا تھا۔ اور بھالو کے لئے توجا نام کے جنگلی پھولوں کا شہد تلاش کر کے لایا تھا۔ اور وہ اسی وقت جانوروں کی زبان میں بھالو سے کہہ رہا تھا۔

"یہ توجا شہد کھالو، اچھے ہو جاؤ گے بنگولی! ۔ میرے دوست"

بنگولی نے اپنے گھنے بالوں والا ہاتھ بڑے پیار سے گارجنگ کے ہاتھ پر رکھا۔ اور پھر دوسرے ہاتھ سے اس نے توجا پھولوں کا شہد کھانا

شروع کر دیا۔ کھاتے کھاتے خوش ہو کر بولا۔
"گرگ ہونگ - یعنی - بہت اچھا ہے۔"
جب پنگولی شہد کھا رہا تھا۔ عین اسی وقت آسمان کی ہواؤں میں ڈبکی مارتا ہوا ایک باز پر پھیلائے ہوئے آیا۔ اور گار جنگ کے سر کو اپنے پروں سے چھوتا ہوا وہ اوپر اڑ گیا۔
"ترنگنی گراہ! ترنگنی!" گار جنگ نے اتنا کہہ کر ہاتھ کے اشارے سے باز کو ہٹ جانے کو کہا،
پنگولی بھائی غصے سے غرانے لگا۔
مگر باز چکر کھاتا ہوا نیچے پھر آیا۔ اور گار جنگ کے سر کو اپنے پروں سے چھوتا ہوا اوپر چلا گیا۔ دور اوپر جا کر وہ باز بار بار ہوا میں چکر کھاتا ہوا گار جنگ کے سر کے اوپر اڑ رہا تھا۔
پنگولی شہد کھاتے کھاتے غصے سے غرانے لگا۔
گار جنگ نے اپنا مضبوط ہاتھ پنگولی کے ہاتھ پر رکھا، اور اوپر آسمان کی طرف دیکھ کر بولا "شاید وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ شاید ترنگنی کسی مصیبت میں ہے۔"
ترنگنی کا چھوہ؟ ترنگنی؟" گار جنگ نے باز کی طرف دیکھ کر زور سے

چلّایا۔

باز زور سے چیخا۔ پھر ایک سیدھی ڈبکی مار کر نیچے آیا۔ اور گارجنگ کے گھٹنے چھُوتا ہوا گزر گیا۔

گارجنگ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے پنگولی سے کہا۔

باز مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ ضرور وہ کسی چکّر میں ہے۔

اتنا کہہ کر گارجنگ اُچھل کر اپنے سنہرے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور اُس کی پیٹھ تھپک کر بولا۔

"سونیرا۔ پیارے گھوڑے۔ آج بہت تیز دوڑنا ہوگا، باز نظر سے غائب نہ ہو جائے!"

باز نے پھر ایک چکّر لگایا۔ اور بیچ کر شمال سے جنوب کی طرف پرواز کرنے لگا۔

گارجنگ نے بھی اُسی سمت اپنا گھوڑا دوڑا دیا۔

البرمہ

جمبک کا قلعہ

سردار جمبک، ہمت سنگھ اور اُس کے ساتھیوں کو قلعے کے قید خانے میں ڈال کر چلا گیا تھا۔ جاتے جاتے اس نے ہمت سنگھ سے کہا تھا، "کل صبح تم سب کو چوبی ستونوں سے باندھ کر گولی ماردی جائے گی"

جب سردار جمبک چلا گیا۔ تو ہمت سنگھ اور اس کے ساتھی سب مل کر دلیپ پر خفا ہونے لگے ــــــ "تمہاری وجہ سے، تمہاری وجہ سے تمہاری حماقت سے تمہاری کارستانی سے ہم اس حالت کو پہنچے ہیں۔ نہیں تو سردار جمبک نے ہمیں وادی سے خیریت سے گزر جانے دیا ہوتا"

"اور اب ہماری جانیں جائیں گی۔ دو بیتر دل کے لئے!"

بدلو پہلوان شکایت کرتے ہوئے بولا۔

دلیپ سنگھ نے غصے سے کہا، "اس وقت تو ایک لاکھ روپیہ لینے کے لئے تم بھی تیار ہو گئے تھے!"

"مگر ہمیں کیا معلوم تھا کہ لاکھ روپے کے لئے موت کا منہ دیکھنا پڑے گا!"

ہمت سنگھ نے کہا "خیر اب جھگڑنے سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا، اس قید خانے سے نکلنے کی کوئی تدبیر کرنا چاہیئے"

"کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی" دلیپ بڑی مایوسی سے بولا۔

"اسی قید خانے کا فرش لوہے کا ہے۔ دائیں اور بائیں دونوں طرف

جمبک کا قلعہ

طرف کے کمروں میں بھوکے شیر رہتے ہیں۔ سامنے کی دیوار اتنی موٹی سلاخوں کی ہے۔ کہ دس آدمی مل کر بھی انھیں موڑ نہیں سکتے۔ باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔

دن بھر اور رات بھر وہ لوگ انتظار کرتے رہے۔ مگر قیدیوں کو کھانا دینے کے لئے کوئی نہ آیا۔ آخر رات کے بارہ بجے کے قریب جب ایک سنتری اُدھر سے گزرا تو ہمت سنگھ نے اس سے کھانے کے لئے پوچھا۔ تو اس نے قہقہہ مار کر کہا۔

"صبح تم مر جاؤ گے، پھر اس وقت کھانا کھا کے کیا کرو گے؟"

اتنا کہہ کر سنتری چلا گیا۔

رات کو سردار جمبک اور اس کے بھائیوں کی پنچایت ہوئی۔ بھائیوں کی صلاح یہ تھی کہ مردوں کو گولی مار دی جائے۔ مگر عورتوں کی جان بخش دی جائے۔ اس شرط پر کہ وہ سردار جمبک کے بھائیوں سے شادی کر لیں۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ قیدی عورتیں صرف دو تھیں اور سردار جمبک کے بھائی پانچ تھے۔ اور ہر بھائی شینا اور راجینا سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ صلاح مشورہ کرتے کرتے چاروں بھائی آپس میں راجینا اور شینا کے لئے لڑنے لگے۔

جمبک کا قلعہ

تب سردار جمبک نے گرج کر کہا: "تم میں سے کسی سے ان لڑکیوں کی شادی نہیں ہو گی، جھگڑا نپٹانے کا یہی ایک طریقہ ہے، ان دونوں لڑکیوں سے میں خود شادی کروں گا۔"

یہ سُن کر چاروں بھائی چُپ ہو گئے۔ اور سر جُھکا کر وہاں سے چلے گئے۔

دوسرے دن صبح ہمت سنگھ اور اس کے ساتھی اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر کوئی انھیں گولی مارنے کے لئے نہیں آیا۔ البتہ دوپہر کے قریب وادی کے سارے مندروں میں گھنٹے بجنے لگے۔ اور دیر تک بجتے رہے۔

ہمت سنگھ نے ایک سنتری سے پُوچھا، "یہ گھنٹے کیوں بج رہے ہیں؟"

"کل سردار جمبک کی شادی ہو گی۔"

"کس سے؟"

سنتری نے راجینا اور رشینا کی طرف اشارہ کیا۔ اور منہ پھیر کر آگے گشت پر چلا گیا۔

شینا اور راجینا غصے سے بھڑک کر بولیں " ہم اپنی جان دے دیں گی۔ دیوار سے سر پھوڑ لیں گی!"

وادی کے مندروں میں چاروں طرف دور دور سے گھنٹوں کی صدا آنے لگی، قبیلے کے لوگوں کو کل شادی میں شرکت کرنے کے لئے بلایا جا رہا تھا۔

آج دوپہر میں شینا اور راجینا کے لئے کھانا آیا۔ جسے سب نے مل کر کھایا۔ اور پھر وہ انتظار کرنے لگے کہ اب کیا ہوتا ہے "

دن بھر آسمان میں باز جنوبی سمت کی جانب اڑتا رہا تھا۔ اور گار جنگ اپنے تیز رفتار گھوڑے پر سوار اس کا تعاقب کرتا رہا، جب شام ہوئی، اس وقت بھی باز اڑتا رہا۔ جب رات ہوئی اس وقت بھی باز اڑتا رہا۔ لیکن جب رات گہری ہوئی۔ اور باز ایک سیاہ سائے کی طرح تاریکی میں گم ہونے لگا، تو باز ایک اونچے درخت کی چوٹی پر بیٹھ گیا۔ اور اسی درخت کے نیچے گار جنگ نے اپنا ڈیرہ ڈال دیا۔ دوسرے دن صبح باز پھر اپنی جگہ سے اڑا اور جنوب کی جانب چل دیا۔ گار جنگ بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کا پیچھا کرنے لگا۔

جمبک کا قلعہ

دوسرے دن سہ پہر کے قریب جب باز سردار جمبک کی وادی میں داخل ہوا۔ تو گار جنگ ٹھٹھک گیا۔ اور جب باز نے بار بار قلعے کے اوپر چکر لگانا شروع کیئے تو گار جنگ فوراً سمجھ گیا، کہ باز مصیبت میں نہیں ہے بلکہ اُس کی بہنیں مصیبت میں ہیں،

کچھ سوچ کر گار جنگ اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اور ایک کھائی میں گھس پڑا۔ پھر اس نے تالی بجاکر باز کو ایک اشارہ کیا۔ اور باز سمجھ گیا کہ اس کا کام ختم ہو چکا ہے۔ اس لئے وہ فوراً جنوب سے پھر شمالی پہاڑوں کو اپنے گھر کی طرف پرواز کر گیا۔

جب سورج ڈھل گیا اور رات کے دُھندلکے پھیلنے لگے تو گار جنگ کھائی سے باہر نکلا۔ اس نے گھوڑے کو کھائی میں چھپا دیا۔ اور خود اکیلا باہر نکلا اور رانگڑوں ہو کر، ہتھیلیوں کے بل چلتا جھاڑیوں میں چھپتا چھپاتے والے مندر کے قریب پہنچا۔ اُس نے دیکھا کہ مندر کا پجاری چاروں طرف چوکنا ہو کر دیکھ رہا ہے۔

جمبک کا قلعہ

جھاڑیوں میں آہٹ پیدا ہوئی۔ پجاری نے گارجنگ کو دیکھ لیا۔ وہ فوراً اپنی جگہ سے اُٹھ کر گھنٹہ بجانے کے لئے بھاگا۔ گارجنگ جھاڑی کے پیچھے سے پجاری پر اُچھلا اور اسے لیتے ہوئے زمین پر گر گیا۔ مگر اس نے پجاری کو گھنٹہ نہیں بجانے دیا۔

پجاری کو زیر کر کے گارجنگ نے اسے مندر کے اندر ڈال دیا۔ اور باہر سے کنڈی لگا دی، پھر اس نے اپنے گھوڑے کو خفیہ جگہ سے نکال لیا۔ اور اس کی باگ ہاتھ میں تھامے قلعے کی جانب اُتر گیا۔ اس وقت رات ہو چکی تھی۔ اور کوئی اسے دیکھ نہ سکتا تھا۔

قلعے کے قریب پہنچ کر وہ اس کی خندق کے چاروں طرف گھوما لیکن کہیں پر اُسے خندق کو پار کرنے والا پُل نظر نہ آیا۔ لکڑی کے پُل رات کو خندق سے ہٹا لیئے جاتے تھے۔

گارجنگ نے خندق کی چوڑائی کو غور سے دیکھا۔ کوئی چیتا یا گھوڑا اُسے پھلانگ نہیں سکتا تھا۔ مگر وہ سونزا سے پوچھے گا۔

گارجنگ نے سونزا کو تھپتھپایا۔ اُس کی پیٹھ پر سوار پھر خندق کی طرف اشارہ کر کے بولا "کیا تم اسے پار کر سکتے ہو؟"

سونزا نے اپنا سر نیچا کیا، جیسے خندق کو غور سے دیکھ رہا ہو، پھر وہ آہستہ

سے ہنہنایا، اور چند قدم پیچھے کو لوٹا، اور لوٹ کر پھر گھوما اور اس تیزی سے اُچھلا کہ دوسرے لمحے میں وہ خندق کے پار تھا۔

"شاباش سونزائے" گارجنگ نے آہستہ سے کہا، اور اسے ایک پیڑ کے پیچھے چھپا دیا۔

پھر وہ جھاڑیوں میں راستہ تلاش کرتے ہوئے آگے بڑھا۔ وہ پتھر کے زینے سے نہیں جائے گا۔ جو ٹیلے کے چاروں طرف گھومتے ہوئے چلتا ہے کوئی دوسرا راستہ ہی تلاش کرنا ہوگا تاکہ سردار جمبک کے ساتھی اُسے دیکھ نہ سکیں۔

یکایک اسے ایک جھاڑی کے پیچھے روشنی سی دکھائی دی، اور جب وہ اسے دیکھنے کے لئے آگے بڑھا تو اسے ایک زور کی پھنکار سنائی دی۔

ایک بہت بڑا ناگ تھا۔ اور اپنے منہ سے ناگ من لال رنگ کا یاقوتی مونہہ نکال کر اس سے کھیل رہا تھا۔

"ناگا کنڈا آبل کنڈا آبل" گارجنگ ناگ سے کہنے لگا۔

پھر اس نے اپنی کمر کی پیٹی میں ہاتھ ڈال کر ہرے رنگ کا روشن زمرد نکالا، اور ناگ کے آگے پھینک دیا۔

ناگ خوش ہو کر اب لال اور ہرے رنگ کے دونوں ہیروں سے

کھیلنے لگا۔ چند منٹ تک اُسے کھلانے کے بعد گار جنگ نے ناگ سے جانوروں کی زبان میں پوچھا۔

"ناگ مجھے قلعے تک جانے کا راستہ بتا دو۔ زینے والا نہیں۔ خفیہ راستہ، جس راستے سے تم جاتے ہو گے، اور جہاں ناگ جا سکتا ہے۔ وہاں آدمی بھی جا سکتا ہے۔ ناگا راسی! ناگا راسی!!"

گار جنگ نے کہا، اور اپنی کمر سے ایک اور زمرّد نکال کر ناگ کے سامنے رکھ دیا۔

ناگ نے خوش ہو کر تینوں پتھروں کو اپنے منہ میں لے لیا۔ اور جھاڑی سے نکل کر چٹانوں پر چڑھنے لگا۔

پھر جدھر جدھر ناگ گیا۔ گار جنگ بھی اس کے پیچھے پیچھے چڑھتا گیا۔ ٹیلہ چڑھ کے ناگ قلعے کی ایک دیوار کے قریب ایک چٹان میں غائب ہو گیا۔ اور گار جنگ سوچنے لگا۔ کہ قلعے کی دیوار تک تو وہ پہنچ گیا، اب قلعے کے اندر کیسے جائے؟

وہ دیوار سے لگا لگا ہوئے ہوئے دوسری طرف مڑنے لگا۔ جدھر قلعے کے پیچھے کا حصہ تھا۔ جونہی وہ موڑ مڑنے لگا۔ اس کے آگے پیچھے دائیں بائیں چاروں طرف سے اندھیرے میں سائے سے اُبھرے اور انھوں نے

اُسے گھیرے میں لے لیا - کافی عرصے تک گارجنگ ان کا مقابلہ کرتا رہا۔ مگر وہ اکیلا تھا - اور وہ لوگ پہلے دس بیس تھے، پھر پچاس ساٹھ ہو گئے نیزے بھالے بندوقیں لئے سب اُس پر پل پڑے تھے -

گارجنگ گرفتار ہو گیا - اور سردار جمباک کے سامنے لے جایا گیا۔

سردار جمباک اسے دیکھ کر بہت خوش ہُوا - بولا "بہت اچھا ہُوا تم آ گئے - کل میں تمہاری دونوں بہنوں سے شادی کر رہا ہوں - اس موقع پر بھائی کی بڑی ضرورت محسوس ہوتی ہے!"

گارجنگ نے غصے سے اس کے منہ پر تھوک دیا

سردار جمباک نے آہستہ سے اپنے چہرے کے تھوک صاف کئے - پھر پہرے داروں سے بولا — "اسے بھی لے جا کے وہیں بند کر دو - چند گھنٹے اس کی زندگی کے باقی ہیں، اپنی بہنوں سے مل لے اچھا ہے!"

(۸)

آٹھواں باب

دُوسرے دن صبح ہوتے ہی ساری وادی میں خوشی کے گھنٹے بجنے لگے آج سردار جمبک کی شادی تھی۔ لوگ باگ مرد عورتیں بچے نئی پوشاکیں پہنے ہوئے، قلعے کے اندر چلے آرہے تھے۔ مردوں نے بیچ رنگی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں۔ اور اپنی ٹھوڑی میں کالکھ لگا رکھی تھیں۔ عورتوں نے اپنے دائیں گال کو سُرخ رنگ سے رنگا تھا۔ اور بائیں گال کو نیلے رنگ سے۔ اور انھوں نے اپنی ناک کے بجائے اپنی ٹھوڑی میں چھید کرکے اُن میں سونے کی نتھ پہن رکھی تھی۔ جمبک کی وادی میں ہر عورت اپنی ٹھوڑی میں سونے کی نتھ پہنتی ہے۔ اور مرد اپنی ٹھوڑی کو کالکھ لگاتے ہیں۔

جب سورج نکلا۔ تو وادی کے سینکڑوں باشندے قلعے کے سب سے بڑے صحن میں جمع ہو چکے تھے۔ اور اپنے سردار کے سامنے ناچ رہے تھے۔

جو صحن میں قلعے کی دیوار سے لگے ہوئے ایک اونچے تخت پر بیٹھا تھا۔ اور اس کے دونوں طرف دائیں بائیں اس کے چاروں بھائی لمبک۔ ہمبک۔ گمبک اور ڈمبک چاندی کی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ سردار جمبک کا تخت سونے کا تھا۔ اور اس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ لیکن اس کے بھائیوں کی کرسیاں صرف چاندی کی بنی ہوئی تھیں۔ اور ان کے سامنے جمباک قبیلے کے لوگ خوشی سے ناچ رہے تھے۔

سردار جمبک نے اشارہ کیا۔ اور یکایک ناچ بند ہوگیا۔ پھر سردار جمبک نے اپنے گلے پر ہاتھ رکھا۔ اور اس کے اپنے گلے پر ہاتھ رکھتے ہی سب لوگ اس کے سامنے سے ہٹ گئے۔ اور دوڑ کر قلعے کی دیواروں سے جالگے۔ اب قلعے کا سارا صحن خالی تھا۔ اور سب لوگ اپنے سامنے لکڑی کے چھ کھمبوں کو دیکھ رہے تھے۔

سردار جمباک اپنے تخت سے اٹھا اور زور سے چلّایا ''ترائی پٹاک!''

یہ سنتے ہی سامنے کے برآمدے کے اندر سے ایک آہنی دروازہ کھلا اور اس میں سے چھ قیدی بڑی بڑی آہنی زنجیروں میں بندھے ہوئے۔ بندوق بردار پہرے داروں کی نگرانی میں نمودار ہوئے۔ سب سے آگے

گارجناک تھا۔ اس کے بعد ہمت سنگھ۔ اس کے بعد دلیپ سنگھ۔ اس کے بعد مشتاق۔ پھر راموا اور آخر میں بدلو پہلوان تھا۔ ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ پاؤں میں بیڑیاں، کمر میں آہنی زنجیریں اور آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

پہرے داروں نے انہیں قید خانے سے نکال کر لکڑی کے چھ کھمبوں سے باری باری ایک ایک کو باندھ دیا۔ مگر یہ لوگ الگ الگ کھمبوں سے بندھے ہوئے بھی ایک دوسرے سے ایک بہت بڑی موٹی آہنی زنجیر سے بھی بندھے ہوئے تھے۔ جو ایک آدمی کی کمر سے دوسرے آدمی کی کمر تک جاتی تھی۔

جب یہ چھ قیدی لکڑی کے کھمبوں سے الگ الگ باندھ دیئے گئے۔ تو چھ پہرے داروں نے اپنی بندوقیں سنبھال لیں۔ اور ایک پہریدار لکڑی کے ایک کھمبے کا نشانہ بنا کے بندوق تھامے پچاس گز کے فاصلے پر کھڑا ہوگیا۔

"جبنا آتش!" سردار جمباک تخت سے اٹھ کر چلایا۔

یہ سنتے ہی برآمدے کا دوسرا آہنی دروازہ کھلا اور اس دروازے میں سے بہت سی عورتیں گاتی اور ناچتی ہوئی باہر نکلیں۔ ان عورتوں نے

جمبک کا قلعہ

ششینا اور راجینا کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ آج ششینا اور راجینا کو دُلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ ان کے جسم پر عمدہ ریشمی کپڑے تھے۔ اور خوبصورت جواہرات تھے۔ اور ان کے گال ایک طرف سے لال تھے۔ دوسری طرف سے نیلے تھے۔ اور ان کے ہاتھ پاؤں میں سونے کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں تھیں۔

ششینا اور راجینا دونوں سردار جمباک کے سامنے لائی گئیں۔ پھر سردار جمبک کے پاؤں کے قریب سونے کی دو چوکیاں رکھ دی گئیں۔ اور سردار جمباک کے دائیں بائیں ان چوکیوں پر راجینا اور ششینا کو بٹھا دیا گیا۔

ہمت سنگھ اور دلیپ سنگھ کے چہرے غصے سے سُرخ ہو گئے۔ اُنھوں نے اپنے ہاتھوں کو زور زور سے جھٹکے دیئے۔ مگر آہنی زنجیریں بیحد مضبوط تھیں۔ اور وہ کسی صورت سے اپنے آپ کو اُن لوہے کی زنجیروں سے نہ چھڑا سکتے تھے۔

چاروں طرف مضبوط اور خوفناک پہرے داروں کی بندوقیں تھیں اور اُن بندوقوں کے گھیرے کے باہر سردار جمباک کے قبیلے کے سینکڑوں آدمی صفیں باندھ کر کھڑے تھے۔ بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

"آخری وقت آگیا ہے۔ اب بھگوان کو یاد کرو۔" راموں نے بدلو پہلوان

سے کہا۔

مُشتاق دل ہی دل میں اپنے خدا کو یاد کرنے لگا۔

گارجنگ لکڑی کے کھمبے سے بندھا ہُوا آہنی زنجیروں میں جکڑا ہوا بے بس اور مجبور نظر آرہا تھا۔ مگر اس کے چہرے پر موت کا کوئی خوف یا ہراس نہ تھا۔ کیوں کہ وہ جنگل کے جانوروں میں پلا تھا۔ اور جنگل کے جانور کو موت کا کوئی ڈر نہیں ہوتا ہے۔ موت ناگزیر ہے۔ اور جو ناگزیر ہے۔ اُس سے خوف کھانا کیا معنے ؟ اس لئے وہ بے خوف اور خاموش نگاہوں سے اس سارے تماشے کو اس طرح دیکھتا جارہا تھا۔ جیسے وہ ٹکٹ خرید کر کوئی کھیل دیکھنے آیا ہو۔

سردار جمبک اپنے تخت سے اُٹھ کر گارجنگ کے سامنے آیا اور بولا۔

"تم جانتے ہو گارجنگ! آج تم مرنے جارہے ہو؟"

"مجھے معلوم ہے" گارجنگ نے نہایت اطمینان سے کہا۔

"تم موت سے نہیں ڈرتے؟" جمبک نے حیران ہو کے پُوچھا۔

"نہیں!" گارجنگ نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیوں؟" جمبک نے پُوچھا

گارجنگ نے پُوچھا "جو موت سے ڈرتے ہیں۔ وہ موت کا کیا کر لیتے

ہیں؟ موت سے صرف احمق اور بزدل ڈرتے ہیں۔"

"کیا تم دنیا میں کسی سے نہیں ڈرتے؟" جمبک نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میں صرف زندگی سے ڈرتا ہوں۔" گارجنگ بولا۔ زندگی جو بنائی جا سکتی ہے۔ اور بگاڑی بھی جا سکتی ہے۔"

جمبک نے دانت پیس کر کہا "آج تم اپنی موت سے ڈرو گے۔ کیوں کہ آج میں تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہاری دونوں بہنوں سے شادی کروں گا۔ پھر تمہارے پانچوں دوستوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے گولی مار دی جائے گی اور سب سے آخر میں میرے قبیلے کے لوگ تمہارے گرد ناچتے ہوئے تمہیں بھالے مار مار کر دیں گے اور تم درد سے کراہو گے۔ اس وقت میں دیکھوں گا۔ کہ تم کتنے بہادر ہو۔ اور موت سے ڈرتے ہو کہ نہیں ڈرتے ہو۔؟"

گارجنگ نے اس دھمکی کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے خاموشی سے مسکرا کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"کیا تمہارے دل میں کوئی خواہش ہے؟" سردار جمبک نے پوچھا۔

"کیوں پوچھتے ہو۔؟" گارجنگ بولا۔

"شاید میں اسے پورا کر دوں۔ کیوں کہ تم نے ایک بار میری جان بچائی تھی اس لئے ایک بار بھی تمہاری ایک خواہش پورا کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس

خواہش کا کبھی کی جان بخشی اور رہائی سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہیئے۔"
گارجنگ نے بہت دیر کے بعد سوچ سوچ کر کہا "ایک خواہش ہے!"
"کیا ہے؟"
"مجھے ایک بانسری چاہیئے۔"
سردار جمبک نے حیرت سے پوچھا "بانسری لے کر کیا کروگے؟"
"بجاؤں گا!" گارجنگ نے جواب دیا
"اپنی موت پر بانسری بجاؤ گے؟" سردار جمبک کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔
گارجنگ نے مسکرا کر کہا "اپنی موت پر نہیں۔ اپنی بہنوں کی شادی پر! میرے خیال میں ایک بھائی کو اپنی بہنوں کی شادی پر بانسری بجانے کی اجازت دے دینا چاہیئے۔"
سردار جمبک نے خوش ہو کر کہا "اس خواہش کو پورا کرنے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ شادی کی رسمیں اب شروع ہونے والی ہیں۔ اس لئے اب تم بانسری بجا سکتے ہو۔"
سردار جمبک کے حکم سے گارجنگ کے ہاتھوں سے ہتھکڑیاں نکال لی گئیں۔ اور اس کے ہاتھ میں ایک بانسری تھما دی گئی۔ مگر اسے لکڑی کے کھمبے سے کھولا نہیں گیا۔ اس لئے گارجنگ لکڑی کے کھمبے سے بندھا بندھا

بانسری بجانے لگا۔

"گار جنگ پاگل ہو گیا ہے!" دلیپ سنگھ نے غصّے سے کہا۔

"اس کی بہنوں کی زبردستی شادی کی جا رہی ہے۔ اور یہ احمق بانسری بجا رہا ہے۔" ہمت سنگھ سے دانت پیس کر بولا۔

"جنگلی ہے۔" راموا اپنی زنجیروں کو توڑنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

بانسری کی آواز قلعے کے صحن میں گونج گئی۔ قلعے کی دیواروں سے ٹکرا کر اُچھل گئی۔ اور قلعے کے باہر کی پہاڑیوں۔ چٹانوں۔ ندی۔ نالوں اور جنگلوں میں گھومنے لگی۔ اس بانسری کی آواز میں ایک عجیب سی پکار تھی۔ ایک چُبھتا ہُوا درد اور سسکتا ہوا سا بُلاوا تھا۔

"شادی کی رسمیں شروع کرو۔ پُروہتوں کو بُلاؤ۔" سردار جمبک نے تیز لہجے میں حکم دیا۔

بہت سے چوبدار پروہتوں کو بُلانے کے لئے مندر کی طرف دوڑے مگر اُن کا دوڑنا بے کار تھا۔ کیوں کہ پُروہت لوگ اپنے سردار کا حکم سُن کر خود ہی مندر کی سیڑھیوں سے اُتر رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لکڑی کے پُرانے عصا تھے۔ پرانی مورتیاں تھیں اور پرانے نقش و نگار والے سونے چاندی کے تھال تھے۔ جن میں روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ اور بائیں طرف کے مندر کی سیڑھیوں سے وہ ہولے ہولے کچھ پڑھتے ہوئے صاف نمے

ہوئے چلے آرہے تھے۔

بانسری کی عجیب و غریب لہراتی ہوئی لے چاروں طرف فضا میں گونج رہی تھی۔ سردار جمبک کے چہرے پر مسرت کی چمک تھی۔

رشینا اور راجینا کے چہرے شرم سے جھکے ہوئے تھے۔ اور اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

دلیپ اور ہمت نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اور وہ لکڑی کے کھمبوں پر بندھے ہوئے۔ آہنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے۔ اپنی موت کا بڑی بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔ اور انھوں نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ تاکہ اپنی آنکھوں سے اپنی بے عزّتی کو نہ دیکھ سکیں۔

پروہتوں نے مندر کی سیڑھیاں اُتر کر نیچے قلعے کے وسیع صحن کی گھاس پر اپنے قدم رکھے۔ اور یکایک گھاس سے سر اُٹھا کر کئی ناگ پھن پھیلا کر اُن کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

پروہت چیخ مار کر واپس مندر کی سیڑھیوں کی طرف بھاگے۔ مگر مندر کی سیڑھیوں کی طرف سے بھی کئی ناگ پھن پھیلائے ہوئے سیر کرتے ہوئے چلے آرہے تھے۔

بانسری کا نغمہ فضا میں گھوم رہا تھا۔

اور ناگ درجنوں۔ سینکڑوں۔ ہزاروں ناگ پھن پھیلائے

جمبک کا قلعہ

ہوئے قلعے کے صحن میں داخل ہو رہے تھے۔ برآمدوں کے اندر سے۔ قلعے کے کمروں کے اندر سے۔ قلعے کے باہر کی چٹانوں سے۔ دراڑوں سے۔ خندقوں سے۔ ندی نالوں اور جنگلوں سے بھاگے ہوئے بانسری کی آواز پر کھنچے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ چند لمحوں میں قلعے کا سارا صحن سانپوں سے بھر گیا۔ ہزاروں لاکھوں رینگتے ہوئے۔ تڑپتے ہوئے لہراتے ہوئے۔ پھنکارتے ہوئے۔ پھن پھیلائے ہوئے۔ خوفناک زہریلے سانپ چاروں طرف سے چلے آ رہے تھے۔ کوبرے اور کوڑیالے۔ افعی اور اژدہا۔ ناگ اور پائی تھان (PYTHAN) ہر نسل اور ہر رنگ کے سانپ دھا دا بولتے ہوئے اندر چلے آ رہے تھے۔

قلعے میں چاروں طرف دہشت اور ہراس پھیل گیا۔ پہرے دار چیخ مار کر بھاگے۔ عورتیں۔ مرد بچے۔ جوان۔ بوڑھے اپنی جان بچا کر بھاگے۔ جس نے جدھر کا رخ کیا۔ منہ اٹھا کر بھاگا۔ کسی نے آگے پیچھے کچھ نہ دیکھا۔ پروہتوں نے اپنے تھال پٹک دیئے۔ سپاہیوں نے اپنی بندوقیں۔ پہرے داروں نے اپنے بھالے۔ چند منٹ میں قلعے کا صحن خالی تھا۔ سردار جمبک کے چاروں بھائی بھاگ گئے تھے۔ اب

وہ اپنے تخت پر اکیلا بیٹھا تھا۔ اور اس کے قدموں میں شینا اور راجینا سونے کی چوکیوں پر بیٹھی تھیں۔ اور اُن کے چاروں طرف ناگ پھن پھیلائے لہرا رہے تھے۔

"مجھے بچاؤ۔ مجھے بچاؤ!" سردار جمبک اپنے تخت سے اوندھا گر پڑا۔ اور شینا اور راجینا کے قدموں میں لوٹ کر کہنے لگا۔

"میری جان بخش دو۔"

"بھیّا سے کہو" شینا بولی

سردار جمبک ابھی اُن کے قدموں میں لیٹے لیٹے ہاتھ جوڑ کر گارجنگ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

"میری جان بخش دو۔ اب میں کبھی ایسی حرکت نہ کروں گا"

گارجنگ بولا "تو وعدہ کرو۔ آج کے بعد تم اپنی وادی میں گزرنے والے کسی مسافر کی جان نہ لوگے"

"وعدہ کرتا ہوں"

"اور آج کے بعد تمھاری وادی میں ہر جرم کی سزا موت نہ ہو گی۔ صرف جو جان لے گا اُسی کی جان لی جائے گی۔ باقیوں کو مناسب سزا دی جائے گی؟"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"تو شینا اور راجینا اور ہمت سنگھ اور دلیپ سنگھ اور رامو اور بدلو اور مشتاق شکاری کی زنجیریں کھولو۔ انھیں آزاد کر دو۔ اور انھیں خود صحیح سلامت اپنی وادی کی حد سے باہر پہنچا کے آؤ۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔"......

سردار جمبک کانپتے ہوئے بولا۔" مگر تم ان ناگوں کو تو ہٹا لو"

پھر ایک بار بانسری کی دُھن فضا میں گونجی۔ مگر اب کے اس کا نغمہ دُوسرا تھا۔ اور لے مختلف تھی اور سُر الگ تھے۔

اس دُھن کو سُن کر ناچتے اور رینگتے اور لہراتے اور پھنکارتے ہوئے سانپ بکھرنے لگے۔ اُن کے پھیلے ہوئے پھن سمٹنے لگے۔ اور زہریلی پھنکاریں مدھم ہونے لگیں اور ناگ زمین کی درزوں۔ قلعے کی دراڑوں۔ بنیادوں اور موریوں میں غائب ہونے لگے۔ دیواروں پر چڑھ کر لوٹتے گئے۔ اور صحن میں رینگتے ہوئے جدھر سے آئے تھے اُدھر واپس چلے گئے۔ چند لمحوں میں سارا صحن سانپوں سے صاف تھا۔ گار جنگ کے ہاتھ میں صرف اس کی بانسری تھی۔ اور وہ مسکرا رہا تھا۔

سردار جمبک کانپتا ہوا آگے بڑھا۔ اور گار جنگ کے پاؤں

سے لپٹ گیا۔

x x x

گار جنگ۔ جنگل کا راجہ۔ اپنے جنگل کو لوٹ گیا تھا۔ اور سردار جمبک اپنے کئے پر پشیمان اور شرمندہ۔ خود ہمّت سنگھ دلیپ سنگھ یشینا اور راجینا کو ان کے ساتھیوں کے ساتھ اپنی وادی کی حد کے باہر چھوڑنے کے لئے آیا تھا۔ اور اب وہ سب لوگ سردار جمبک کی وادی کے باہر ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے تھے۔ اور اُن کے قدموں کے نیچے گرتے ہوئے۔ سلسلہ ہائے کوہ کے نیچے ترائی کا خوبصورت علاقہ چمک رہا تھا۔

چلتے وقت سردار جمبک نے وہ دونوں زمرّد واپس کر دیئے۔ اُس نے ایک زمرّد یشینا کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور دوسرا راجینا کو۔ اور سر جھکا کر بولا۔ "آج سے سردار جمبک ہر عورت کی عزت کریگا۔

ہمّت سنگھ اور دلیپ سنگھ نے بھی سردار جمبک کو معاف کر دیا۔ اس کے گلے لگے۔ اُسے اپنا بھائی بنایا۔ پھر اُن سب لوگوں نے خوشی خوشی اپنے گھوڑے بڑھائے اور انھیں تیزی سے دوڑاتے ہوئے ترائی کے علاقے کی جانب چلے گئے۔ جہاں اُن کا دیس اور وطن تھا۔